دِل لوچے ماہی یار نوں

عشنا کوثر سردار

عشنا کوثر سردار



نہایت انہماک سے وہ رائیٹنگ ٹیبل پر بیٹھی ریڈنگ میٹریل کو بغور پڑھتی ہوئی اسائنمنٹ کے لیے ریلی ونٹ پوائنٹ منتخب کررہی تھی۔ توجہ مکمل طور پر اسی جانب تھی۔ ارادہ آج ہی کام نبٹانے کا تھا کہ پرسوں تک ہر حال میں اسے یہ ریسرچ اسائنمنٹ سبمٹ کروانا تھا۔ شاید وہ اپنی اس کوشش میں کسی قدر کامیاب بھی ہو جاتی کہ عین اسی لمحے دروازہ کھلا اور محترم بلماز حیدر اندر تشریف لائے۔ وہ تب بھی اسی طرح جھکی رہی۔ آہٹ پر متوجہ ہونا تو دور کی بات وہ چونکی بھی نہ تھی۔ حتیٰ کہ وہ اس کے سر پر پہنچ کر بولا۔

"کیا ہو رہا ہے یہ۔ تم ابھی تک تیار نہیں ہوئیں؟" اور اس لمحے وہ یکدم ہی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"تم کہاں سے آگئے؟" اس کا انداز اتنا ہونق تھا کہ بلماز حیدر کا دل اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا تبھی وہ تپ کر گویا ہوا۔

"ظاہر ہے دروازے سے' کمرے میں داخلے کا مہذبانہ راستہ دروازہ ہی ہے۔"

"ہوں وہ تو ہے۔" اس کے جل کر گویا ہونے پر وہ قدرے نارمل انداز میں مسکرائی اور پھر دوبارہ سے توجہ ان مختلف قسم کے ریڈنگ میٹریل پر مرکوز کردی۔

"ہو کیا رہا ہے یہ۔۔۔؟"

"ریسرچ ورک پرسوں ہر صورت میں سر احسن کو اسائنمنٹ دینا ہے۔" وہ پیپروں کو الٹ پلٹ کر بغور دیکھ رہی تھی۔

"کیا مطلب ہے یعنی تم یہی کام کرتی رہو گی؟" وہ حیرت سے بولا۔

"کیا مطلب ہے مجھے کوئی اور کام بھی کرنا تھا کیا؟" اس کی جوابی کارروائی بڑی برجستہ تھی جملہ پھینک کر وہ پھر سے قلم سے ایلی ونٹ پوائنٹ انڈر لائن کرنے لگی تھی۔

اس کے بے تاثر سے اور قدرے لاتعلق انداز پر جیسے وہ تپ گیا۔

"محترمہ رحمہ جہانگیر اگر آپ کچھ بھول نہیں رہیں تو آپ کو یاد دلا دوں کہ آج آپ کی مجھ ناچیز کے ساتھ ایک کنسرٹ میں جانے کی کمٹ منٹ تھی!" ایک ایک لفظ پر زور دیتا ہوا وہ بولا تو وہ چونک گئی۔

"اوہ۔۔۔!" تیزی سے چلتا قلم لحہ بھر کو رکا۔ پھر دوبارہ متحرک ہو گیا۔

"لیکن میں تو بہت مصروف ہوں آج۔۔۔ چلو پھر کبھی سہی!" بڑے مزے سے وہ کہہ کر دوسرے ہاتھ سے گلاسز کو درست کرنے لگی توجہ اب بھی اس پر نہ تھی۔

وہ جیسے سلگ گیا پہلے پیپرز اس کے سامنے سے اٹھائے پھر دوسرے ہاتھ سے اس کے ناک پر دھرا چشمہ بھی اپنی گرفت میں لے لیا۔ یہ بے حد اچانک تھا رحمہ لحہ بھر کو قلم ہاتھ میں تھامے دنگ سی رہ گئی تھی۔ بہت جارحانہ انداز میں اس کی جانب دیکھا تھا ارادہ سخت سست سنانے کا بھی تھا مگر وہ مسکرا رہا تھا۔

"میں تمہیں پندرہ منٹ دے رہا ہوں۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"بلماز پلیز۔۔۔!" وہ بہت کمزور سے انداز میں بولی تھی حالانکہ جانتی تھی احتجاج فضول تھا بالکل۔ وہ

ناولٹ

کہاں سننے والا تھا۔

"تم جانتے ہو کس قدر اہم کام ہے یہ۔ خود تو تم کسی بھی ویب سائٹ سے میٹریل نکال لو گے اور پرنٹ آؤٹ نکال کر سر احسن کو تھما دو گے مگر میرا سوچو مجھے ایسی کوئی مراعات حاصل نہیں ہے۔"

"سو واٹ۔ میں اتنا خود غرض تو نہیں ہوں' جب اپنے لیے پرنٹ آؤٹ نکالوں گا تو ایک تمہارے لیے بھی نکال دوں گا شاباش جلدی کرو۔ دیر ہو رہی ہے بھئی۔ وہاں کے ایم سی اسپورٹس کمپلکس میں آنے والے جنون گروپ سے ہماری ایسی کوئی خاص رشتے داری نہیں کہ وہ ہمارا ویٹ کریں۔" اس کے شانے کو بچوں کی طرح تھپتھپاتے ہوئے وہ بولا تو وہ اسے نہایت بے بسی کے ساتھ دیکھنے لگی۔

"بلماز یہ میرے لیے بہت مشکل ہے۔ میں نہیں

کام کرپاؤں گی۔"

"ارے بابا اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میں کہہ رہا ہوں نا!" اس نے جیسے اعتبار دلانا چاہا۔

"ہاں اس سے قبل بھی ایسے کئی وعدے کر چکے ہو تم!" رحمہ نے یاد دلایا۔ مگر وہ قطعی شرمندہ نہ ہوا۔

"جہاں اس سے قبل اعتبار کیا ہے اب بھی کرلو۔" وہ ہنسا۔ وہ سلگ گئی۔

"میرے گلاسز واپس کرو!"

"کیوں تمہیں چھ فٹ سے بھی زیادہ طویل شخص اتنی قریب سے بھی نظر نہیں آرہا؟"

"ڈونٹ بی سلی یلماز پلیز!" اس نے قطعی انداز اختیار کیا۔ مگر دوسری طرف قطعی کوئی اثر نہ ہوا۔

"ٹکٹ کے پیسے ضائع جانے کا ملال میں نہیں کرنا چاہتا۔ شاباش جلدی کرو وقت بہت کم ہے ہمارے پاس!"

"تو کسی اور کو لے جاؤ عینی فارغ ہی ہے۔"

"فی الحال تو تم بھی کچھ نہیں کر رہیں!" وہ محفوظ ہوتے ہوئے جیسے مسکرایا اور تب وہ اپنے خالی ہاتھوں کو دیکھ کر سلگتی ہوئی اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"یور آر سلی ویری اسٹوپڈ!" وہ تپے ہوئے انداز میں بولی مگر وہ مسکراتا ہوا اس کے گلاسز کو اس کی نظروں کے سامنے لہراتا ہوا پلٹ کر دروازے کی جانب پیش قدمی کرنے لگا۔ پھر پلٹ کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"تمہارے پاس دس منٹ ہیں" حتمی انداز میں کہتا ہوا وہ ۔ دھیمے سے انداز میں مسکرایا اور پھر دروازہ کے دوسری جانب غائب ہو گیا۔ وہ ایک گہرا سانس لے کر جیسے خود کو راضی کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

اس کے پاس یقیناً "اب کوئی اور راہ نہ تھی کہ سوائے اس کے اٹھتی اور تیار ہوتی۔ تبھی اس کی نگاہ وال کلاک کی جانب گئی تھی۔ اور پھر وہ ایک گہرا سانس خارج کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اور پھر جب وہ کچھ ہی لمحوں بعد بلیک سوٹ میں نہایت سادگی کے ساتھ تیار ہو کر اس کے سامنے تھی۔

"ویٹس گریٹ!" ایک ناقدانہ نگاہ سرتاپیر اس پر ڈالی پھر جیسے مطمئن ہو کر مسکرا دیا۔

"اب میرے گلاسز دو ....!"

"وہ اب یہ استعمال کرو گی تم ...؟" اسے جیسے یکدم اعتراض ہوا۔

"یلماز حیدر ....!" اس کا ضبط جیسے جواب دینے لگا۔

"اوکے ۔ لو ..." اس نے ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا۔

"دنیا بھر کی لڑکیاں سنس آف بیوٹی رکھتی ہیں اور بیوٹی کانشیس ہوتی ہیں مگر تم اپنی نوعیت کی عجیب و غریب لڑکی ہو۔"

"اگر اتنی ہی بری لگتی ہوں تو چھوڑ جاؤ ...." وہ گلاسز ٹشو سے صاف کرتی ہوئے اسے گھورنے لگی۔ مگر وہ مسکرایا۔

"خیر اتنی بری نہیں ہو۔ ہاں لگتی ہو مگر ....!" وہ شرارت سے ہنسا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"ماما کو بتایا ہے؟" گلاسز ناک پر جماتے ہوئے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"زندگی عذاب بنا رکھی ہے۔ اچھا خاصا کام نبٹ جاتا!" اسے ابھی تک افسوس تھا۔ گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بھی وہ کہنا نہ بھولی۔

"میں نہ ہوں گی تو پھر کیا کرو گے ....!"

"جھک مارا کروں گا بائے دی وے تم جا کہاں رہی ہو ....؟" وہ گاڑی گیٹ سے باہر نکالتا ہوا پوچھنے لگا۔

تب وہ سلگ گئی۔

"بھاڑ میں۔ کبھی میرے بغیر بھی کچھ کر لیا کرو ....!"

"غلطی تمہاری ہے۔ بچپن سے ہی تم نے مجھے اپنا عادی کیوں بنا لیا ....؟" یلماز نے سارا کا سارا الزام اس کے سر رکھ دیا۔

"غلطی ہو گئی معاف کر دو!" رحمہ جیسے اپنی غلطی مانتے ہوئے بولی۔ تبھی وہ مسکرا دیا۔

"قسم سے تمہاری صورت اتنی مضحکہ خیز لگ رہی ہے کہ ....!" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکرایا۔

"کیسی ....؟" وہ گھورنے لگی۔ تبھی وہ ہنس دیا۔

"مسکرا دو ۔ اچھی لگو گی ۔!" اس نے جیسے درخواست کی۔

"ایک جواز یہ بھی ہے کہ ایک انتہائی ہینڈسم قسم کا بندہ جو کہ "ہی مین" اور "لیڈی کلر" مشہور ہے اس لمحے تمہارے ساتھ ہے۔ یقیناً "یہ بات تمہارے لیے کسی اوارڈ سے کم نہیں ....!"

اور اس لمحے رحمہ کے لبوں پر یکدم ہی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"خوش گمانی کی بھی حد ہوا کرتی ہے ۔!" وہ کہہ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

صبح ناشتے کی ٹیبل پر عینی شکوہ کر رہی تھی کہ وہ اسے ساتھ لے کر کیوں نہیں گئے اور تب اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔

"میرا خود جانے کا کوئی موڈ نہ تھا۔ وہ یلماز کو ہی شوق ہوا تھا۔ خوامخواہ میرا بھی وقت برباد کیا ...."

"آپ منع کر دیتیں۔ میں چلی جاتی ....!" عینی کو ابھی تک افسوس تھا۔

"اور آپ کے اسکول کا کیا ہوتا؟" ماما نے فوراً" کہا تو وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔ پھر پاپا نے جب اسے یونیورسٹی کے سلور جوبلی گیٹ پر چھوڑا تبھی اسے سامنے ہی یلماز کھڑا نظر آگیا۔

"شکر ہے تم آگئیں!" اسے دیکھتے ہی وہ بولا۔

"حالانکہ تمہیں امید نہیں رکھنی چاہیے تھی کہ رات صرف تمہاری وجہ سے میں اپنی نیند پوری نہیں کر سکی۔ اگر آج سیمینار لائبریری کی بک واپس نہیں کرنی ہوتی تو میں قطعی نہ آتی۔" وہ تیزی سے گیٹ کراس کرتی ہوئی بولی۔

"بائے دی وے تم میرا انتظار کس لیے کر رہے تھے ...؟" اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"وہ دراصل مجھے بھی اسی بک کی ضرورت تھی!"

"اوہ ....!" اس نے ہونٹ سکوڑے ۔ "تبھی" وہ ہنس پڑا۔

"تم کیا تصور کر رہیں تھیں کہ میں تمہارا انتظار کس لیے کروں گا ....؟" وہ چھیڑتے ہوئے بولا۔ مگر وہ جواباً" کچھ نہیں بولی۔

"واک کریں؟" یلماز نے اسے شٹل کی طرف دیکھتا پا کر پوچھا۔

"نہیں میڈیم سلمی کی کلاس شروع ہو جائے گی ....!"

"مگر شٹل میں جانے کا خواب بھی شرمندہ تعبیر ہوتا نظر نہیں آرہا ....!"

آخری فٹ بورڈ ۔ پر اسٹوڈنٹس کو لٹکا ہوا دیکھ کر وہ بولا تو مجبوراً" اس کو اس کے ساتھ پیش قدمی کرنا پڑی۔

"واپسی میں رکنا مجھے آئی بی اے جانا ہے۔ سنا ہے وہاں خاصا میٹریل ہے میری اسائنمنٹ سے ریلیٹڈ۔" رحمہ نے تلقین کی۔

"او مائے گاڈ۔ مجھے لگتا ہے تم اسی فکر میں فنا ہو جاؤ گی۔ کہا ہے نا فکر مت کرو مکمل ریسرچ پیپر تیار کر کے تمہیں دوں گا۔" اس نے یقین دلایا۔

"ہاں جیسے پہلے بھی دے چکے ہو ...؟" رحمہ نے طنز کیا۔ وہ خفیف سا مسکرا دیا۔ تبھی ایک بہت اسمارٹ سی لڑکی قریب سے گزرتی ہوئی یلماز سے ہیلو ہائے کر گئی۔

"یہ پکا والا وعدہ ہے ....!" اس لڑکی کے آگے بڑھ جانے کے بعد وہ دوبارہ اس سے مخاطب ہوا البتہ نظریں اب بھی اسی مہ جبیں کی پشت پر تھیں۔ رحمہ نے کافی ناپسندیدہ انداز میں اس کے اس اقدام کو دیکھا۔ وہ سمجھتے ہوئے ہنس دیا۔

"اس طرح پیچ و تاب کیوں کھا رہی ہو؟"

"غلط فہمی ہے۔ یہ دھوپ کی تمازت کا اثر ہے۔" اور وہ جانے کیوں ہنس دیا۔

ڈیپارٹمنٹ میں قدم رکھتے ہی اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"تھینک گاڈ۔ طویل فاصلہ طے ہوا ....!" کہنے

کے ساتھ ہی اس نے گھڑی کی جانب دیکھا۔ تبھی ہلماز کو سامنے راہداری پر جاتے دیکھ کر وہ چونک گئی۔

"تم کلاس لینے نہیں جا رہے۔۔۔؟"

"نہیں تم جاؤ اور ہاں مجھے وہ بک بھی دے دو۔ ری ایشو کروانا ہے۔" اس نے جان لیا تھا وہ سیمینار روم میں جا کر اسٹڈی کرنا چاہ رہا ہے۔ تبھی مزید کچھ کہے بغیر بک اس کی جانب بڑھا دی اور پھر خود کلاس روم کی جانب بڑھنے لگی۔

کلاس لے کر وہ نکلی تو گمان تھا وہ سیمینار میں ہی بیٹھا ہوگا۔ مگر جب وہ وہاں پہنچی تو وہ وہاں موجود نہیں تھا۔ پھر جب دوسری اور تیسری کلاس میں بھی وہ نہیں آیا تو وہ سمجھ گئی کہ وہ کہیں نکل گیا ہے۔ کہاں۔۔۔؟ اس کے متعلق یقیناً وہ قیاس نہیں کر سکتی تھی۔ مگر جب واپسی پر وہ اس کے کلاس روم کی سیڑھیوں پر بیٹھی انتظار کر رہی تھی تبھی اس کے کلاس میٹ نعمان نے آکر بتایا کہ "ہلماز اسے ملا تھا اور کہہ رہا تھا کہ تمہیں آگاہ کر دوں کہ واپسی پر میرا انتظار مت کرنا۔۔۔!"

وہ شاید جلدی میں تھا تبھی وہ کچھ مزید پوچھنے کا ارادہ رکھتے ہوئے بھی خاموش رہ گئی اور واپسی کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی ارادہ آئی بی اے لائبریری کی طرف جانے کا تھا۔ مگر پھر جانے کیوں شٹل میں سوار ہو گئی۔ پھر گھر پہنچنے تک اور شدید تھکن کے باعث سونے تک وہ متواتر کئی بار اسے سوچتے ہوئے برا بھلا کہہ چکی تھی اور بلاخر وہ نیند کی عمیق وادی میں جا اتری تھی۔

شام میں وہ ماما کے جگانے پر جب جاگی تو وال کلاک کی جانب دیکھ کر جیسے اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے اور اسے بہت سا کام کرنا تھا۔ ریسرچ پیپر کے لیے تبھی فوراً ہی اٹھ کر منہ پر چھینٹے مارنے کی غرض سے واش روم میں گھس گئی تھی۔

باہر نکلی تو ماما اس کے لیے چائے رکھ کر جا چکی تھیں۔

وہ مشکور سی کپ اٹھا کر لبوں سے لگاتی ہوئی چیئر کھینچ کر بیٹھ گئی اور چائے کے سپ لیتے ہوئے پیپر کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ تبھی وہ آ گیا۔

"ہیلو کیا ہو رہا ہے۔۔۔؟" مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ مگر رحمہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"اوہ تو ناراض ہو۔۔۔! سوری بھئی دراصل میں بہت مصروف تھا۔" اس نے کہنے کے ساتھ ہی پشت سے ہاتھ نکال کر لائٹ گرین کور والی فائل اس کے سامنے کر دی۔

"یہ کیا ہے۔۔۔؟"

"یور ریسرچ پیپر۔۔۔!" وہ دھیمے انداز میں مسکرایا۔

"ہاں۔۔۔!" وہ حیران رہ گئی۔ ساتھ ہی نظریں اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ وہ اس کی ہونق صورت دیکھ کر ہنس دیا۔

"اسے کھول کر نہیں دیکھو گی۔۔۔؟"

"تم نے۔۔۔؟" اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے پھر فائل اس کے ہاتھ سے لے کر کھول کر دیکھنے لگی۔ زبردست قسم کا ریسرچ پیپر اس کے سامنے تھا۔ وہ تو بیسیوں لائبریریوں کو بھی کھنگال لیتی تو اتنا ریلی وِنٹ میٹریل کلکٹ نہ کر پاتی۔ پھر اس میٹریل کو اتنے موثر انداز میں استعمال کرنا۔

"کیسے ہوا یہ سب اتنی جلدی۔۔۔!"

"جادو کا چراغ ہے میرے پاس۔۔۔!" وہ ہنس دیا۔

"ویسے تمہیں مجھ سے زیادہ سائنس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ جس کی بدولت تمام مشکل کام آسان ترین ہو چکے ہیں۔"

"تھینک یو ویری مچ۔۔۔!" وہ جیسے اس کی قائل ہو گئی۔

"اوں ہوں نو سوری نو تھینکس ان فرینڈشپ۔۔۔!" وہ مسکرایا۔ تبھی سر ہلاتی ہوئی وہ بھی مسکرا دی۔

"تمہارا اپنا کام ہوا۔۔۔؟"

"نہیں ابھی نہیں۔ مگر رات تک ہو جائے گا۔ بس پرنٹ آؤٹ نکالنا ہے باقی سب کام ہو چکا ہے۔۔۔! بات دراصل یہ ہے کہ میں تمہاری طرح کسی بھی کام کو سر پر سوار نہیں کرتا۔"

"سر پر سوار کرنے کی بات نہیں۔ تم جانتے ہو بات ریپوٹیشن کی بھی ہوتی ہے۔ پھر میرے لیے واقعی یہ بہت مشکل تھا کل تک مکمل کرنا!"

"غصہ دور ہوا اب۔!" وہ جانتا تھا۔ اسے واپسی پر نہ پا کر وہ سلگ کر رہ گئی ہوگی تبھی بولا تھا۔

"ہاں۔ مگر تم نے بتایا بھی تو نہیں تھا بس غائب ہو گئے تھے۔"

"اب تو حاضر ہو چکا ہوں!" وہ مسکراتا ہوا بولا تو وہ بھی مسکرا دی۔ ساتھ ہی ایک گہرا سانس۔ خارج کرتی ہوئی تمام پیپرز سمیٹنے لگی۔

"تم نے واقعی مجھے ایک بڑی فکر سے آزاد کر دیا ہے۔"

"اوکے اب میں چلتا ہوں۔۔۔!"

"رکو نا چائے پی کر جانا۔۔۔!"

"نہیں کام کرنا ہے۔۔۔!" کہنے کے ساتھ ہی وہ باہر نکل گیا تھا۔



کچھ چیزیں بچپن سے ہمارے ساتھ یوں پروان چڑھتی ہیں کہ پھر جیسے ہمارا حصہ بن جاتی ہیں۔ ان کا ساتھ بچپن سے تھا۔ کزن ہونے کے ناطے ایک فطری اپنائیت کا احساس تو تھا ہی۔ مگر یہ بھی تھا کہ بچپن سے ہی وہ بہت اچھے دوست تھے ایک دوسرے کا خیال کرنا۔ شرارتیں کرنا، مل کر پڑھنا کھیلنا سب جیسے ابتدا سے ہی معمول تھا۔

دونوں نے تعلیمی سفر ساتھ ہی طے کیا تھا اور اب بھی جب وہ دونوں یونیورسٹی میں تھے۔ تو ایک دوسرے کے لیے ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں تھے۔ حالانکہ ہلماز کا ارادہ اس فیلڈ میں آنے کا قطعی نہ تھا گھر میں بھی یہی دباؤ تھا کہ بزنس فیلڈ جوائن کرو۔ ایم بی اے کرو یا پھر ایم بی ایس۔ مگر اس نے رحمہ کے ساتھ ہی اکنامکس میں قدم رکھ دیا تھا۔

دونوں میں بہت انڈر اسٹینڈنگ تھی۔ مگر اس کے باوجود اکثر رحمہ اس سے خائف رہتی اور اکثر ڈپٹ بھی دیتی۔۔۔! جب وہ اس کی منشا کے خلاف بات کرتا۔ مگر وہ ویسے ہی دوستانہ انداز میں اس بات کو سمجھتا۔ محسوس کرتا اور قطعی برا نہ مناتا۔

اکثر اس کا نام اپنی شاندار پرسنالٹی کے باعث کئی لڑکیوں کے ساتھ بھی سنا جاتا اور تب جانے کیوں رحمہ کو یہ بات قطعی اچھی نہ لگتی مگر یہ بھی تھا کہ اس نے کبھی اس بات پر اسے ٹوکا بھی نہ تھا۔ دونوں اکثر ساتھ رہتے۔ تو اکثر ساتھ نہ بھی ہوتے۔ وہ خود بھی اسے اپنے ساتھ باندھ کر رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ اپنی زندگی کو اپنے طور پر جیے اور انجوائے کرے دنیا کو اپنے زاویے سے دیکھے۔ اپنے انداز فکر سے سوچے اور سمجھے کہ بہر طور زندگی اس کی تھی۔ وہ اس کی کزن تھی مگر وہ یہ بات بھی بہت اچھی طرح سے سمجھتی تھی کہ وہ اس کی میراث نہ تھا۔ اس لیے اکثر اگر وہ اس کے رنگین فسانے سنتی بھی تو نظر انداز کر جاتی۔

کوئی نام اس کے نام کے ساتھ کسی کی زبانی سنتی بھی تو کوئی نوٹس نہ لیتی۔ بلکہ اکثر وہ بذات خود اسے چھیڑتا۔

"جیلسی فیل کر رہی ہو۔۔۔؟"

"اوں ہوں۔ قطعی نہیں۔۔۔!" وہ کہہ کر بات ہی بدل دیتی۔ مگر جانے کیوں اس لمحے وہ محظوظ ہو کر کھلکھلا کر ہنس پڑتا تھا اور وہ جانے کیوں اس لمحے بہت بولڈ ہونے کے باوجود بھی اس کی جانب دیکھ نہ پاتی تھی۔

وہ شروع سے ہی بہت جینئس تھی۔ اب بھی اس کی پوزیشن بن رہی تھی۔ تبھی وہ زیادہ تر اپنی توجہ بکس پر مرکوز رکھتی۔ وہ اکثر پڑھائی میں اس کی مدد کرتا رہتا۔ اسے ریلیٹڈ میٹریل ادھر ادھر سے جمع کر کے فراہم کرتا رہتا۔ یہ بات نہ تھی کہ وہ خود اسٹڈی میں اچھا نہ تھا۔ بلکہ وہ نالج میں اس سے بھی کہیں آگے تھا۔ مگر یہ حقیقت تھی کہ پوزیشن کے لیے کوالیفائی اسی نے کیا تھا۔

"تم اگر ادھر ادھر سے توجہ ہٹا کر توجہ اسٹڈی پر مرکوز رکھتے تو یقیناً پوزیشن تمہاری بنتی۔۔۔!" اسے جیسے افسوس ہوتا۔

"پوزیشن تمہاری بنے یا میری بات تو ایک ہی ہے۔۔۔!" وہ مسکرا دیتا اور تب وہ بھی مزید کچھ نہ کہتی کہ اس سے کچھ کہنا سننا فضول تھا۔

ان دنوں اس کا نام انگلش ڈیپارٹمنٹ کی فائنل ایئر کی ایلش کمال کے ساتھ بہت سنا جا رہا تھا۔

اور جب داستان اس کے گوش گزار کی گئی تب اس نے سرسری انداز میں سنی اور پھر جیسے یکسر فراموش کر دی۔ جیسے جانتی ہو کہ یہ بھی کل کو قصہ پارینہ میں تبدیل ہو جائے گی۔ مگر اس کا قیاس اس وقت غلط ثابت ہو گیا۔

جب وہ ہر جگہ متواتر اس کے ساتھ نظر آنے لگا۔ سلسلہ بڑھا تو چہ میگوئیوں کا سلسلہ بھی جیسے طویل ہو گیا۔

"رحمہ تمہارے کزن محترم ان دنوں بہت اونچی فضاؤں میں پرواز کر رہے ہیں۔ ایلش کمال از اے رینلی فنٹاسٹک گرل۔ شی از ابی لونگ ٹو وری رچ اینڈ نوبل فیملی۔۔۔!" اس کی کلاس فیلو تانیہ بولی تو اس نے سن کر سر ہلا دیا۔

"او کے۔۔۔!" اور اس کے سرسری سے انداز پر جیسے وہ چونک گئی۔

"تمہارے لیے یہ کوئی غیر معمولی بات ہے۔۔۔؟"

"وہ جہاں چاہے جائے۔ جو مرضی کرے۔ یہ اس کا پرسنل افیئر ہے۔ جس میں، میں قطعی مداخلت کا حق نہیں رکھتی!" وہ بولی اور پھر وہاں سے ہٹ گئی۔

پھر جب وہ مین لائبریری کی طرف جا رہی تھی تبھی گرلز کینٹین کے سامنے وہ اسے ایلش کمال کے ساتھ نظر آ گیا۔ وہ اگرچہ دیکھ چکی تھی مگر نظر انداز کر کے آگے بڑھ جانا چاہتی تھی جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔ مگر عین اسی لمحے یلماز حیدر نے پکار لیا اور تب اس کے پاس اس کے سوا کوئی راہ نہ بچی کہ وہ اس کے قریب کھڑی ہو کر اس سے بات کرے۔

"شی از ایلش کمال۔" اس نے اس کا تعارف کروایا۔

"اینڈ ایلش شی از رحمہ، مائی کزن!"

"ہیلو!" ایلش کمال بولی تو اس نے بھی جواباً سر ہلا دیا۔

"تمہارا کزن تمہارا بہت ذکر کرتا ہے۔ مگر تم واقعی بہت اچھی ہو!" وہ کھکھلاتے ہوئے لہجے میں بولی تو تب رحمہ کو یکدم احساس ہوا کہ وہ بہت اور بے حد خوب صورت ہے۔ ہنستے اور مسکراتے ہوئے بطور خاص جو گڑھے اس کے رخساروں پر نمودار ہوتے تھے وہ اس کے حسن کو چار چاند لگاتے رہتے تھے۔ دبلی تپلی سرو قد خوبصورت بالوں اور سبز آنکھوں والی یہ لڑکی واقعی بے حد پرکشش تھی۔ میرون سوٹ میں اس کا گورا رنگ جیسے دہک کر انگارہ ہو رہا تھا۔ یلماز حیدر کا انتخاب واقعی لاجواب تھا۔

"کہاں جا رہی ہو۔۔۔؟" یلماز نے پوچھا تو وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگی۔

"مین لائبریری۔ میگزین سیکشن میں کام ہے کچھ ساتھ ہی بک بھی ایشو کروانا تھی۔ او کے سی یو نیکسٹ ٹائم!" وہ کہہ کر آگے بڑھ آئی۔ پھر مین لائبریری کی ڈھلان چڑھتے ہوئے وہ بلا ارادہ ہی دائیں جانب دیکھنے لگی تھی۔ وہ لان میں سے گزرتے ہوئے یقیناً کینٹین کی جانب جا رہے تھے۔ دونوں کسی بات پر مسکرا رہے تھے۔ رحمہ نے یکدم ہی نگاہ اس جانب سے ہٹائی اور تیزی کے ساتھ مین لائبریری کے اندر داخل ہو گئی۔

میگزین سیکشن میں پرانے اخبارات کے صفحات الٹتے ہوئے جانے کیوں اس کا ذہن بے حد خالی خالی سا تھا۔ بے حد تھکن زدہ انداز میں اس نے گلاسز اتار کر ٹیبل پر ایک طرف رکھتے ہوئے آنکھیں بند کر کے کنپٹیوں کو دونوں ہاتھوں سے ہولے سے دبایا تھا۔ کچھ لمحوں تک یونہی آنکھیں میچے رکھی تھیں پھر جب آنکھیں کھولی تھیں تو یکدم دنگ رہ گئی تھی۔ اس کے عین سامنے چیئر پر یلماز حیدر براجمان تھا۔ جانے کب وہ ٹیبل پر اس کے عین سامنے آن بیٹھا تھا اسے تو خبر تک نہ ہوئی تھی۔

"تم کب آئے۔۔۔؟" اس نے چونکتے ہوئے گلاسز اٹھا کر دوبارہ اپنی تیکھی اور لمبی ناک پر رکھے۔

"ابھی ابھی۔۔۔!"

"خیریت؟" رحمہ پوچھنے کے ساتھ ہی نیوز پیپر کے صفحات الٹنے لگی۔

"کیوں اب کیا مجھے تم سے ملنے اور بات کرنے کے لیے بھی کیا کسی جواز کی ضرورت ہو گی!" وہ بہت دھیمے انداز میں بولا۔

"نہیں ایسی بات نہیں۔۔۔!" وہ اردگرد کے ماحول کے ڈسٹرب ہونے کے خیال سے بہت دھیمے انداز میں بحث کو اسی جگہ ختم کرتی ہوئی جیسے بولی۔

"تمہارا کام ختم ہو گیا؟"

"نہیں مگر۔۔۔" وہ تیزی سے صفحات پلٹتی چلی گئی۔

"ابھی چلو پھر آ جائیں گے۔۔۔!" وہ بولا اور ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا اور تب اس نے چند لمحوں تک جیسے سوچا۔ پھر بائنڈنگ ہوئے اخبارات کو اٹھایا اور لائبریرین کو واپس دے کر اپنا کارڈ لے کر باہر نکل آئی۔

"میں سمجھی تم چلے جاؤ گے!" سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ بولی۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔

اس نے کاؤنٹر سے اپنا بیگ واپس لیا پھر اس کے ساتھ چلتی ہوئی لائبریری کی ڈھلوان کو عبور کرنے لگی۔

"سمسٹرز میں کتنے تھوڑے سے دن باقی رہ گئے ہیں!" اس نے تیز ہوا سے چہرے پر آ جانے والی بہت ہی شرارتی لٹوں کو چہرے پر سے ہٹایا۔

"ہاں!" یلماز نے مختصر جواب دیا۔ "مگر اتنے تھوڑے بھی نہیں!"

"دو ڈھائی ماہ بہت زیادہ تو نہیں ہوتے!" رحمہ کو جیسے اختلاف ہوا۔

"ہاں مگر کم بھی نہیں۔"

"میرے لیے تو بہت کم ہیں!"

"ہاں تم کتابی کیڑا جو ہو۔ پوزیشن بھی تو لینا ہے تمہیں!" وہ ہنسا۔

"بائے دی وے پوزیشن لے کر کرو گی کیا۔۔۔؟"

"جو تم نہ لے کر کرو گے۔۔۔!" وہ یونہی ٹالنے کو مسکرائی۔

"پھر فائدہ کیا ہوا۔ وہی کام جو میں ایک عام سی فرسٹ ڈویژن لے کر سرانجام دوں گا وہی کام تم پوزیشن لے کر سرانجام دو گی۔ تو پھر اتنی محنت اور جان جوکھوں میں ڈالنے سے فائدہ۔۔۔؟"

"ہاں فائدہ تو کوئی نہیں مگر اب جب بن رہی ہے تو کوئی حرج بھی نہیں!" وہ دھیمے انداز میں بولی تو وہ مسکرا دیا۔

"یہاں سے نکلو ڈپو سے پوائنٹ لے لیتے ہیں۔" رحمہ بولی۔ تبھی وہ بولا۔

"ڈیپارٹمنٹ واپس نہیں چلنا؟"

"نہیں اب تو کوئی فائدہ نہیں۔ اپنے گروپ کے تقریباً سبھی لوگ جا چکے ہوں گے۔" اس نے مطلع کیا تو یلماز نے سر ہلاتے ہوئے قدم ڈپو کی جانب بڑھا دیے۔



انٹرنیشنل اکنامکس کی کلاس میں یلماز حیدر کلاس کے سب سے اگلے والے ڈسک پر براجمان تھا وہ اگرچہ دیر سے آنے کے باعث آخر میں بیٹھی تھی۔ مگر وہ نا صرف اسے دیکھ چکی تھی۔ بلکہ جب وہ بول رہا تھا اور بحث میں مگن تھا تب وہ بغور اسے سن بھی رہی تھی۔ مگر جیسے ہی کلاس آف ہوئی حسن اس کے قریب آن رکا اور اس سے پچھلے دنوں کے لیکچرز کے متعلق پوچھنے لگا۔ تبھی حسن سے بات کرتے ہوئے جانے کب وہ باہر نکل گیا۔ البتہ جب وہ دوسری کلاس لے کر اپنے گروپ کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھی تبھی وہ آ گیا تھا۔

"یہ تم آج کل ہوتے کہاں ہو!" حسن نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

"لو تمہیں نہیں پتا چوہدری آرٹس فیکلٹی میں ہے اور آپ جناب کو خبر ہی نہیں!" سائرہ نے جیسے حسن کی عقل پر ماتم کیا تھا۔

"ہاں سن تو کچھ کچھ ہم بھی رہے ہیں۔ مگر سنا ہے افواہوں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔"

وقار نے کہا تو صبا اور سائرہ سمیت حسن اور عابد بھی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

"جو بھی ہے ہلماز حیدر کی چوائس کمال کی ہے!" صبا نے کہا تو سب مسکرا دیے۔

"جی ہاں محترمہ الیش واقعی کمال صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ سننے میں تو یہی آیا ہے!" عابد نے خاصے معصوم انداز میں کہا تو سبھی ہنسنے لگے۔

وہ کئی دنوں بعد ان سب کے ہتھے چڑھا تھا تبھی وہ بھی شاید اسی لیے گن گن کر حساب بے باق کر رہے تھے۔ البتہ رحمہ ان تمام باتوں سے قطع نظر، فوٹو اسٹیٹ شاپ سے تازہ ترین کیے ریڈنگ میٹریل کو بغور جانچ رہی تھی۔ ان سب کے جملوں کا جواب دیتے ہوئے وہ ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈال کر رہ گیا تھا۔ وہ ان تمام باتوں سے قطع نظر لاتعلق بنی جیسے سرے سے اس ماحول کا حصہ ہی نہ تھی۔

"ہلماز سنا ہے الیش کی آنکھیں بڑی حسین ہیں۔۔۔!" سائرہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اور وہ مسکرایا۔

"ہاں ہیں! پھر؟"

"یہ تم پوچھ کس طرح رہی ہو۔ اگر یہ پوچھنا چاہ رہی ہو کہ گہرائی کتنی ہے تو سیدھی طرح ڈھنگ سے پوچھو اپنے ہلماز صاحب خاصے معصوم ہیں۔ تمہارے اس طرح کے سوالوں کے مفہوم کو سمجھنے کی قطعی استطاعت نہیں رکھتے!" حسن نے سائرہ کو بڑے ناصحانہ انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔ تبھی عابد بولا۔

"میرا خیال ہے اس کا اشارہ کلر کی جانب ہے تو بھئی۔ وہ تو کونٹیکٹ لینس ہیں آج بلیو ہیں تو کل گرین پرسوں ہیزل بھئی شی ازبی لونگ ٹو سپرائی کلاس اس کے لیے گاڑیاں بدلنا کوئی مسئلہ نہیں۔ لینس تو پھر خاصے سستے ہیں۔" عابد کے تجزیے پر سبھی ہنسنے لگے۔

"یہ تم لوگوں کی سوئی محترمہ الیش کمال پر ہی کیوں اٹک گئی ہے؟" وہ جیسے تنگ آتے ہوئے بولا۔

"لیکن ہم تو آپ کی خوشی کی خاطر ان کا تذکرہ کر رہے تھے کہ شاید ان کے ذکر پر ہی آپ ہمارے پاس کچھ عرصے کے لیے ٹک جائیں۔ ورنہ تو شاید۔۔۔!" سائرہ کچھ بولتے بولتے رک گئی۔ سب مسکرا دیے۔

تبھی حسن نے رحمہ کے ہاتھ سے ریڈنگ میٹریل لے لیا۔

"محترمہ تم بھی یہاں موجود ہو۔۔۔!"

"ہاں۔۔۔!" اور تب اس لمحے وہ سر اٹھا کر ان کی جانب تکنے لگی۔ "میں تم سب لوگوں کو سن رہی تھی۔"

"سنو نہیں فقط کچھ بولو بھی!" وقار نے کہا۔ تبھی وہ دھیمے سے مسکراتی ہوئی اپنے گلاسز اتار کر ٹشو سے صاف کرنے لگی۔

"رحمہ تم ایک کام کیوں نہیں کرتیں!" عابد اس کے گلاسز کے کور کو بغور جانچتے ہوئے بولا۔

"کیا۔۔۔؟" وہ مکمل سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

"لینس لگوالو۔" اس کا مشورہ کمال کا تھا۔

"تم چاہتے ہو اپنی رحمہ جہانگیر بھی آج گرین کل بلیو اور پرسوں ہیزل کلر کی آئز کے ساتھ نظر آئے۔۔۔؟" صبا تیزی سے بولی تو سب ہنسنے لگے۔ وہ ہلماز کے چہرے کے تاثرات بھانپ چکی تھی وہ چہرہ داہنی سمت موڑے۔ یقیناً اس موضوع سے لاتعلقی کا اظہار کر رہا تھا یقیناً الیش کمال کا اس طرح ذکر اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ تبھی گلاسز لگاتے ہوئے اس نے ان سب کی طرف دیکھا۔

"کلاس شروع ہونے میں تو ابھی خاصا وقت ہے کیا خیال ہے آج مجیدے کے ہوٹل کی نہاری یا بریانی نہ ہو جائے۔۔۔!"

"او محترمہ رحمہ اور لائبریری اور کتابوں کے علاوہ مجیدے کے ہوٹل کی بات حیرت صد حیرت۔۔۔!" وقار کو جیسے گہرا شاک لگا۔

"بکو نہیں۔ آئی ایم سیریس۔ یوں بھی خاصے دن سے اس طرف نہیں گئے!" رحمہ نے سنجیدہ انداز میں کہہ کر ہلماز کی طرف دیکھا جس کے چہرے کے تاثرات اب قدرے اعتدال پر آچکے تھے۔ مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔ گہری بھوری آنکھوں میں ایک سوچ سی تیرتی ہوئی نظر آ رہی تھی جسے فی الحال وہ پڑھنے سے قاصر تھی۔

"آئیڈیا اچھا ہے۔ مجیدے کی بریانی اور نہاری کو تو میں بھی کئی دن سے مس کر رہا ہوں۔" حسن نے کہا تو سائرہ اور صبا نے بھی سر اثبات میں ہلائے۔

"کیوں محترم ہلماز حیدر آپ بھی تشریف لے جانا پسند کریں گے یا آپ کا کے ایف سی یا عثمانیہ کا کوئی پروگرام ہے؟" عابد نے ہلماز سے مسکراتے ہوئے دریافت کیا تو وہ سر اثبات میں ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

پھر جب وہ ہنسی مذاق کے دوران آرٹس لابی سے نکل رہے تھے تبھی عین اس لمحے ایڈمنسٹریشن بلاک کے سامنے الیش کمال اپنی وہائٹ کرولا میں نظر آ گئی۔ ہلماز کو دیکھ کر اس نے ہارن دیا۔ ساتھ ہی دلفریب انداز میں مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ آنکھوں پر سیاہ گلاسز چڑھائے ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان وہ خاصی متاثر کن لگ رہی تھی۔

ہلماز حیدر ان سب کو ایکسکیوزمی کہتا ہوا اس کی گاڑی کی جانب بڑھ گیا۔ سب رک کر ایک دوسرے کی سمت دیکھنے لگے۔ نظریں سب کی اسی جانب تھیں۔ چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ بھی تھی۔ البتہ رحمہ ان کی طرف سے پشت کر کے دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔

"لے بھائی یہ تو گیا اب K.F.C" عابد نے پیشن گوئی کی۔

"چلو ہم بھی ساتھ ہی چلتے ہیں۔" سائرہ کا انداز بھی محفوظ ہونے والا تھا۔

"ہاں مجیدے کی بریانی میں زنگر برگر والی بات کہاں!" حسن بھی مسکرایا۔

"میرا ارادہ بھی نہاری سے ہٹ کر چکن بروسٹ کھانے کا ہو چلا ہے!" سائرہ بھی کیوں پیچھے رہتی!

سب کی نظریں اسی جانب تھیں۔ جہاں ہلماز حیدر الیش کمال کی گاڑی میں جھکا گفتگو میں مصروف تھا اور اس سے قبل کہ ان کی چہ میگوئیوں کا سلسلہ دراز ہوتا وہ عین اسی لمحے لوٹ آیا تھا۔

"سوری گائز میں تم لوگوں کے ساتھ نہیں جا پاؤں گا۔۔۔!"

"نیور مائنڈ ہمارا بھی پروگرام اب مجیدے سے ہٹ کر KFC کا ہو چکا ہے۔" عابد نے مسکراتے ہوئے کہا تو حسن نے اسے گھورا۔

"اٹس او کے آپ جا سکتے ہیں!" وہ سب پہلے سے ہی جانتے تھے۔ تبھی مسکراتے ہوئے اسے اجازت دی اور وہ الیش کمال کے ساتھ رخصت ہو گیا۔ رحمہ نے الیش کمال کی وہائٹ کرولا کو بہت دور تک دیکھا تھا۔

"لیٹس موو۔۔۔ ہمارا پروگرام قطعی تبدیل نہیں ہو گا۔۔۔!" وہ بولی تھی اور پھر ان تمام لوگوں کے ساتھ ہنسی مذاق کے ساتھ وہ مجیدے کے ہوٹل کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

"یار ویٹ واز ناٹ فیئر۔ ہلماز کو عین درمیان سے راہ نہیں بدلنی چاہیے تھی۔۔۔!" حسن نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے یکدم کہا تھا۔

"ہاں مگر وہ اب تو راہ تبدیل کر چکا۔۔۔!" وہ بہت بے ساختہ بولی تھی اور پھر عابد کی کسی بات پر یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

کراچی کے موسم کا بھی کچھ اعتبار نہیں دن بھر موسم یکسر مختلف تھا۔ دن بھر سورج چمکنے کے بعد اچانک ہی بارش ہونے لگی تھی۔

وہ جو اپنے کمرے میں تھی۔ عینی کے اطلاع دینے پر کہ بارش ہو رہی ہے فوراً ہی باہر آ گئی تھی اور لان کی جانب جانے والی محدود اسٹیئرز پر بیٹھتے ہوئے ستون کے ساتھ ٹیک لگا گئی تھی اور بارش کو بغور دیکھنے لگی تھی شفاف پانی کے قطرے سبزے پر گرتے ہوئے جیسے ایک حسین ساز چھیڑ رہے تھے۔ اس کے

پیروں پر کئی چھینٹے گر رہے تھے وہ بلا ارادہ ہی اس گھڑی ہاتھ بڑھا کر ان شفاف قطروں کو ہتھیلیوں پر لے کر دیکھنے لگی دل پوری شدت سے یکدم ہی مچلا کہ وہ اس برستی پھوار میں بھیگے اور تب اس نے جانے کیوں فوراً ہی دل کی مان لی تھی اور دوسرے ہی پل اٹھ کر کھلے آسمان تلے آن کھڑی ہوئی تھی۔ آسمان کی طرف گردن اٹھا کر وہ کتنے ہی لمحوں تک پانیوں کو اپنے چہرے پر گرتے ہوئے محسوس کرتی رہی تھی یہ پہلا موقع تھا۔ جب وہ شعور کی عمر میں قدم رکھنے کے بعد ایسی کوئی بچکانہ حرکت کی مرتکب ہو رہی تھی۔ ورنہ تو شاید اس کے بچپن میں ہی ایسی شرارتوں کی فہرست درج تھی۔

بارش قدرے تیز ہو چکی تھی۔ مگر اسے جیسے اندازہ نہ تھا یا شاید احساس نہ تھا عجب بے خودی کے عالم میں وہ سرشار سی برستے ساون سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

”رحمہ ہوش میں تو ہو کیا ہو رہا ہے یہ؟“ وہ بند آنکھوں سے جیسے کسی اور جہاں میں تھی جب اچانک ہی ایک مانوس آہٹ ایک مدھم دھیمی آواز اسے ہوش کی دنیا میں واپس کھینچ لائی اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ہلماز حیدر عین اس کے روبرو تھا۔

”پاگل لڑکی یہ کیا حماقت ہے۔ جانتی ہو۔ اس موسم کی بارش بھیگنے کے لیے بالکل بھی نہیں ہوتی!“ کہنے کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ تھام کر وہ اسے برآمدے کی طرف لے آیا۔ بارش سے ہٹی تو یکدم ہی اسے سردی کا شدید ترین احساس ہوا۔ ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر وہ یکدم ہی کانپنے لگی۔

”اوہ مائے گاڈ!“ ہلماز نے فوراً اپنا کوٹ اس کے شانوں پر ڈالتے ہوئے اس کے گرد اپنا بازو حمائل کیا اور اس لمحے جیسے رحمہ کو کوئی کرنٹ چھو گیا!

وہ فوراً ہی پیچھے ہٹی اور اپنے گہرے براؤن آنچل کو جو کہ پہلے ہی پھیلا ہوا تھا یونہی بے دھیانی میں دوبارہ درست کرنے لگی۔ دل کے اندر یکدم ہی جیسے ایک ہلچل سی مچ گئی۔ اتنے سرد موسم میں بھی اسے لگا جیسے اس کے وجود کو کوئی دہکتا ہوا انگارہ چھو گیا ہو۔ وہ قدرے دور ٹک کر دونوں بازو آگے کی طرف لپیٹتے ہوئے جانے کیوں اس گھڑی ہلماز حیدر کی سمت نہ دیکھ سکی۔

”مجھے نہیں پتہ تھا۔ تم اب بھی بچوں کی طرح اس موسم کو بھیگ کر انجوائے کرتی ہو۔۔۔!“ وہ عام سے انداز میں گویا تھا اور تب وہ یکدم ہی سنبھلتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ بولی کچھ نہیں تھی۔

”اب اندر چلو۔ شوق کو پایہ تکمیل تک تو یقیناً آپ پہنچا چکی ہیں۔ آئی تھنک الس ان نف باقی کا موسم پھر بھی انجوائے کر لیجئے گا۔

فی الحال اتنا ہی بہت ہے۔ دل زیادہ چاہے تو دور سے ہی نظارہ کر لیجئے گا کمرے کی کھڑکی بہترین ذریعہ ہے“ وہ قدرے طنزیہ انداز میں بولا تو وہ کپکپاتے ہوئے ہونٹوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرتی ہوئی بامشکل اپنی کپکپاہٹ پر کنٹرول کرتی ہوئی تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی پھر وہ چینج کرنے کے بعد باہر نہیں نکلی۔ اپنے کمرے میں رہی۔

”مجھے پکا یقین تھا آپ اب باہر تشریف لانے کے قابل نہیں ہوں گی۔ تبھی آنٹی انکل سے گپ شپ مارنے کے بعد یہاں چلا آیا۔“

کمرے میں بہت دھیمے سروں میں بلی مورس کی آواز گونج رہی تھی۔

کس دی رین۔۔۔۔!

ہیلو کین یو ہیئر می۔۔۔!

وہ جانے کیوں مسکرا دیا۔

”لڑکیاں چاہے کتنی بھی پڑھ لکھ جائیں۔ خوابوں کے جزیروں سے اپنا ناطہ نہیں توڑ سکتیں!“ بہت بھرپور تجزیہ کرتے ہوئے ریموٹ اٹھا کر اس نے سی ڈی پلیئر آف کر دیا تھا۔

”چاہے ان کا واسطہ ہائی سپر اپر کلاس سے ہو یا پھر مڈل یا لوئر مڈل کلاس سے ان کی سوچ کے زاویے ایک ہی نقطے کے گرد گھومتے ہیں۔ وہی احساس وہی جذبات وہی محسوسات وہی گھروندے بنانا وہی خیالی پیکر تراشنا اور۔۔۔!“ وہ جانے کیوں ہنسنے لگا۔

وہ خاموشی سے چند پل اسے دیکھتی رہی پھر سر اثبات میں ہلانے لگی۔

”بات یہ نہیں ہلماز حیدر کہ لڑکیوں کی سوچ یکساں ہے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ لڑکیوں کی قوم اسی ایک اماں حوا سے وابستہ ہے۔ جو فطری جذبات رکھتی تھی۔ لڑکی کا نام ہی فطری جذبات کی ـــــ تصویر ہے۔ آپ جذبات و احساسات کو ایک لڑکی سے ہٹا کر قطعی نہیں دیکھ سکتے آپ کی بات میں صدفی صد صداقت ہے۔ لڑکیاں عام ہی ہوتی ہیں چاہے۔ اپر کلاس کی ہوں ہائی اپر کلاس کی ہوں۔ سپر کلاس کی ہوں یا ہائی سپر کلاس کی یا پھر مڈل یا لوئر مڈل کلاس کی ان کی سوچوں میں ویسی ہی یکسانیت ملے گی آپ کو وہی معصوم کانچ سے نازک خوابوں کے محل وہی کچے گھروندے وہی بارشوں میں بھیگ کر ہنستا مسکراتا خوش ہونا وہی جذبوں کے ہار انجانے پیکر کے لیے پرونا وہی کسی ان دیکھے وجود کو تلاشنا وہی حساسیت وہی فطری حسن کی متلاشی نظریں وہی دردمند دل وہی جذبے کلاسز کے فرق سے ان میں کہیں کوئی گیپ نظر نہیں آتا۔۔۔!“

”بے وقوف قوم جو ٹھہری!“ وہ محظوظ ہو کر ہنسا۔

تبھی ماما نے رحمت کے ہاتھ کافی بھجوا دی۔ وہ گرم گرم کافی کے سپ لیتے ہوئے جیسے بہت راحت محسوس کر رہی تھی۔ کمرے میں بہت دیر خاموشی رہی تھی۔ وہ بالکل چپ تھا اور آج جیسے رحمہ کے پاس بھی کوئی بات نہ تھی یا جیسے وہ اس کے کچھ بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔

کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی پھر بالآخر وہ بولا۔

”باہر چلیں۔۔۔؟“

”لانگ ڈرائیو۔۔۔؟“ وہ اس کی بات سمجھ کر برا سا منہ بناتے ہوئے مسکرائی۔ ”نہ بابا۔۔۔!“ وہ ہنس دی۔

”بس اتنی ہی بہادر تھیں۔۔۔!“

”بات بہادری کی نہیں۔ میں ایسا کوئی کارنامہ سرانجام دینا نہیں چاہتی جس کے بعد میری شخصیت مشکوک ہو جائے!“ وہ مسکراتی ہوئی بولی تو وہ ہنس دیا۔

”سوچ لو گولڈن چانس ہے۔ جہاں کہو گی ڈراپ کراؤں گا!“ اس نے بھرپور آفر دی۔

”لالچ دے رہے ہو؟“ وہ مسکرائی۔

”جو بھی سمجھ لو۔۔۔!“

”ہوں، ہاں! کہاں لے جا سکتے ہو۔۔۔؟“

”تم کہو تو چاند پر لے چلوں۔ کہکشاؤں پر قدم رکھ دوں!“ وہ چھیڑتے ہوئے مسکرایا اور وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

”آگئے نا پھر کل اپروچ پر!“

”سیریسلی چلو ڈرنے کی بات نہیں گاڑی میں ہیٹر آن رکھیں گے۔ تم کمبل ساتھ لے سکتی ہو احتیاطاً!“ اس نے پھر چھیڑا وہ مسکرا دی، پھر کچھ سوچتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔

”اوکے تم چلو میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں!“

♥ ♡ ♡ ♥

جب سے وہ ایلش کمال سے وابستہ ہوا تھا اس روز سے وہ بہت کچھ فراموش کرنے لگا تھا۔

آج اس کا برتھ ڈے تھا۔ مگر سارا دن میں وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ نہ یونیورسٹی میں نہ گھر پر۔ نہ ہی کوئی پیغام نہ ہی کوئی دیگر رابطہ۔

اور اگرچہ اسے پروا نہیں تھی اس بات کی مگر اس کے باوجود کئی بار اس کا ذہن اس جانب گیا تھا۔ کئی بار سوچوں کے زاویے اس جانب جا کے الجھے تھے۔

اور کئی بار وہ خود کو اس فعل سے باز رکھنے کی تلقین کے باوجود خود کو بے بس محسوس کر رہی تھی۔ سارا دن وہ خود کو مصروف رکھے رہی تھی مگر۔۔۔!

پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ رات میں اسے وش کیا کرتا تھا مگر اب۔۔۔!

کہتے ہیں اندھیرے میں تمام رنگ سیاہ دکھائی دیتے ہیں۔

ہم اگر منفی راہ پر قدم رکھ کر اپنے سوچوں کے زاویوں کو ٹٹولیں۔ یا پرکھیں تو بننے والا ہر نقش سیاہ نظر آنے لگتا ہے۔ وہ ساری باتیں جو اگر عام حالات میں

دیکھے تو مثبت لگیں۔ اس وقت وہ بھی انتہائی منفی محسوس ہوتی ہیں اور اسے بھی اسی طرح لگ رہا تھا جیسے یلماز حیدر ایش کمال کے بعد بدلا ہو۔ حالانکہ ہو تو یہ بھی سکتا تھا کہ وہ اپنی کسی مصروفیت کے باعث یاد نہ رکھ پایا ہو۔ یا پھر کوئی اور وجہ ہو۔ مگر باوجود کوشش کے اس کی سوچوں کی ڈور اسی سے بندھی ہوئی تھی حالانکہ وہ کتنی بار دھیان ہٹانے کے جتن کرتی ہوئی سر جھٹک چکی تھی۔ مگر جیسے ہر خیال ذہن سے چپک کر رہ گیا تھا۔

وہ تمام تر کوششوں میں ناکامی کے بعد بالا خر ٹیرس پر آ گئی تھی اور یونہی کھلے آسمان کو دیکھنے لگی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے مسحور کرنے لگے تھے۔ وہ جیسے تروتازہ ہونے لگی تھی کہ اسی لمحے اس کے قریب قدموں کی چاپ ابھری اور پھر اس کے پاس آ کر جیسے ختم ہو گئی۔

"ہیلو۔۔۔!" بڑے ہی ہشاش بشاش لہجے اور انداز میں مخاطب کیا گیا۔

وہ چونکہ جان چکی تھی اور کسی بھی طرح کا احساس دلانا اسے مقصود نہیں تھا تبھی بہت نارمل سے انداز میں وہ اسے دیکھ کر جواباً مسکرائی تھی۔

"ہیلو۔۔۔!"

اور تب اس نے پشت سے ہاتھ نکالتے ہوئے بہت خوب صورت اور نفیس سا بوکے اس کے سامنے کر دیا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو اینڈ منی منی ہیپی ریٹرن آف دی ڈے۔۔۔!"

اور تب وہ جانے کیوں بہت دیر تک خالی خالی نظروں سے اس کی جانب دیکھتی رہی تھی۔

"آئی ایم سوری بٹ آئی ایم ناٹ ٹو لیٹ۔ ابھی بارہ بجنے میں اور آج کی تاریخ بدلنے میں کافی لمحے باقی ہیں۔"

وہ مسکراتا ہوا بولا تھا اور شاید وہ کچھ مزید ابھی کہنا چاہتا تھا وضاحت میں مگر اس نے تھینک یو کہتے ہوئے بوکے تھام لیا تھا۔

"کارڈ نہیں دیکھو گی؟" وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا تھا اور تب وہ بوکے کے ساتھ نتھی کارڈ کو ہاتھ میں لے کر کھولنے لگی تھی۔ بہت خوب صورت سا کارڈ تھا اور لفظ بھی شاندار تھے۔

"تھینک یو۔۔۔!" وہ بہت رسمی سے انداز میں مسکرا دی۔

"اپنا گفٹ نہیں لو گی!" وہ جیسے حیران ہوتا ہوا پوچھنے لگا آج سے پہلے کے تمام موقعوں پر وہ بہت دھڑلے سے اس سے اپنی برتھ ڈے کا گفٹ نکلوایا کرتی تھی۔ مگر آج جب وہ لایا بھی تھا تو جیسے وہ پوچھنا ہی بھول گئی تھی۔ اس کے یاد دلانے پر جیسے چونکی تھی۔

"ہاں کیا لائے ہو۔ میرا مطلب ہے کہاں ہے میرا گفٹ۔۔۔؟" اور تب وہ ہنس رہا تھا۔

"بیسٹ فرینڈ یو آر ریئلی ویری کنی گرل!" وہ اکثر اسے یہی جملہ کہا کرتا تھا۔ سو اب بھی کہنا نہ بھولا اور وہ دھیمے سے مسکرا دی۔

"تم سے کچھ نکلوانا آسان نہیں اب جب کہ موقع بھی ہے تو کیوں بخشوں!" اور تب اس نے بہت چھوٹی اور کیوٹ سی مخملی ڈبیا اس کے سامنے کر دی تھی۔ اس کی چوڑی مضبوط ہتھیلی پر اس سیاہ کلر کی مخملی ڈبیا کو دیکھ کر وہ قدرے چونکی تھی۔ وہ تو فرض کر رہی تھی حسب حال کوئی پرفیوم ہو گا مگر اس نے حیرت کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے بدستور اس کی ہتھیلی کو گھورا تھا۔

"یا اللہ بیسٹ فرینڈ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے۔۔۔؟" اس کے کھوئے کھوئے سے انداز پر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور تب اس کے ہاتھ پر سے ڈبیا اٹھاتے ہوئے وہ مسکرا دی تھی۔

"حاتم طائی کی قبر پر خوب لات ماری ہے تم نے۔ میں یہی سوچ کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔" یہ کہتے ہوئے ڈبیا کھول لی۔ بہت ہی چھوٹا اور نفیس سا لاکٹ اس کے سامنے تھا۔ قیمتی پتھر جگمگا رہا تھا۔ آب و تاب کمال کی تھی قیمت کا اندازہ باخوبی کیا جا سکتا تھا۔ وہ جیسے ساکت رہ گئی۔

"یلماز حیدر۔۔۔!" اس کی چیخ بہت حیرت لی ہوئی تھی اور وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔

"میں نے سوچا تم جب اپنی زندگی کے حسین ترین بائیس سال مکمل کر رہی ہو تو کیوں نہ گفٹ بھی اسی مناسبت سے شاندار دے دیا جائے!" وہ جیسے احسان جتانے والے انداز میں بولا۔ اس نے ایک ہاتھ کا مکا بنا کر اس کے چوڑے مضبوط شانے پر جڑ دیا۔

"ہاں ایسے ہی تو حاتم طائی ہو نا تم۔" وہ بولی پھر ہنس پڑی۔ "خیر اپنے اس فعل سے تم نے واقعی حاتم طائی کی قبر پر زبردست قسم کی لات رسید کر دی ہے۔ بائے دی وے ماموں کی تجوری سے روپے اڑائے تھے یا آنٹی کی زنبیل سے؟" وہ مسکراتی ہوئی پوچھنے لگی تو وہ ہنس دیا۔

"جب آم سامنے ہوں تو فقط کھانے سے غرض رکھنی چاہیے پیڑ گننے سے نہیں!"

"اور اگر آم کھانے کے بعد آم کا دعوے دار کوئی بن کر آ جائے تو۔۔۔!" وہ چھیڑنے سے باز نہ رہی!

"ایسی نوبت نہیں آئے گی!" وہ بولا تو ایک بار پھر بغور اس ننھے منے لاکٹ کو دیکھنے لگی۔

"تھینک یو بہت خوب صورت ہے!"

"بی ایف تم جانتی ہو مجھے یہ فارمیلٹیز قطعی پسند نہیں۔ سو پلیز ڈونٹ بی فارمل۔۔۔!" وہ جب بہت موڈ میں ہوتا تھا۔ اسے بی ایف (بیسٹ فرینڈ) کہہ کر ہی مخاطب کرتا تھا اور تب وہ مسکرا دی تھی۔

"ویسے ٹریٹ دینے کا وقت تو نکل چکا۔۔۔!"

"مجھے تم سے امید بھی نہیں تھی!" اس نے چھیڑا۔

"بکو نہیں ہر بار تو ٹھونستے ہو۔ اس بار تو قصور تمہارا اپنا ہے۔ کیوں وقت پر نہیں آئے؟"

"اب تو آ چکا ہوں۔۔۔!" اس کے شکوے پر وہ بہت مطمئن سے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا تو وہ اس پل جانے کیوں اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"کبھی کبھی وقت بہت اہم ہو جایا کرتا ہے یلماز! ہر وقت کے ساتھ ہماری طلب کی شدت جڑی ہوئی ہوتی ہے جب طلب شدید ترین ہو اور وقت مہربان رہے تو پھر جیسے وہ شدت پر پہنچا ہوا طلب کا گراف یکدم ہی نیچے کی طرف حرکت کرنے لگتا ہے۔ طلب کی رسد اگر وقت پر نہ ہو تو پھر طلب مرجایا کرتی ہے بالکل ایسے ہی جیسے شدید پیاس کے وقت آپ کو پانی کی شدید ترین طلب ہو اور آپ کو ایک قطرہ بھی نہ ملے اور جب پیاس مرجائے شدت دم توڑ جائے اچانک ایک سمندر ہاتھ لگ جائے۔ مگر طلب اس وقت صفر ہو مٹ چکی ہو تو پھر سب جیسے بیکار اور فضول ہو جایا کرتا ہے۔" اس کے دھیمے دھیمے لہجے پر وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔

"محترمہ رحمہ جہانگیر اصل معاملہ یہ ہے کہ اکنامکس کا بھوت آپ کے دماغ پر مکمل طور پر قابض ہو چکا ہے اور کیفیت اتنی انتہا پر ہے کہ اب تدارک نا ممکن ہے اور میری مجبوری یہ ہے کہ مجھے نا صرف اکنامکس کو جھیلنا ہے بلکہ تمہیں بھی برداشت کرنا ہے۔ یہ مجبوری کا فعل ہے جو ہر صورت سرانجام دینا ہے۔" وہ بولا تو وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

"آج کا دن تو گیا ہاں کل تمہیں ٹریٹ دے سکتی ہوں۔۔۔!"

"بہت شکریہ بہت بہت مہربانی!" وہ مشکور ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

تب وہ مسکراتے ہوئے خاموش ہو گئی اور پھر اس کے بعد ان کے درمیان کئی لمحوں تک خاموشی حائل رہی دونوں کے پاس جیسے تمام لفظوں کا ذخیرہ ختم ہو گیا رسمی باتوں کا تمام سلسلہ منقطع ہو گیا اور جب وہ اس طویل ترین خاموشی سے اکتا کر وہ اسے نیچے چلنے کی آفر کرنے والی تھی۔ تبھی وہ یکدم بول پڑا۔

"رحمہ آئی ایم ان لو!" یلماز حیدر کی زبان سے ادا ہونے والا جملہ جیسے بازگشت ہو گیا۔۔۔!

رحمہ بہت چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ حالانکہ اسے چونکنا بالکل بھی نہیں چاہیے تھا مگر اس لمحے کے محسوسات بہت فطری تھے۔ وہ اسے اسی طرح تک رہی تھی جب وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر

اٹھا کر کھلے روشن ستاروں سے بھرے آسمان کو تکنے لگا تھا۔

"یہ سچ ہے رحمہ کہ میں الیش کمال کے خیالوں کے حصار میں مکمل جکڑا جا چکا ہوں۔ وہ جب میرے پاس نہیں بھی ہوتی۔ تب بھی وہ میرے ارد گرد ہی کہیں موجود ہوتی ہے۔ میری سوچوں پر چھائی رہتی ہے۔ پہلے پہلے میں اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دے سکا تھا کہ محبت پر کبھی میرا یقین رہا ہی نہیں تھا!" وہ دھیمے انداز میں مسکرایا تھا پھر رحمہ اس کی طرف دیکھے بولنے لگا تھا۔

"فقط قصوں خیالوں اور کتابوں کی باتیں لگا کرتی تھیں سب۔ مگر بالآخر مجھے یقین کرنا پڑا کہ محبت کا وجود بھی ہے اور اس کا نام محبت ہے!" وہ یکدم اس کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرایا تو وہ بھی دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

"وش یو بیسٹ آف لک!"

"تھینکس!" وہ دھیمے انداز میں مسکرایا۔ "ڈو یو بلیو ان لو۔۔۔!"

وہ نظریں جھکائے ہاتھوں میں تھمے مہکتے ہوئے بوکے کو دیکھنے لگی۔

"آؤ نیچے چلیں!" بالآخر وہ بولی تھی اور پھر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی اور تب بلماز حیدر نے مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ قدم بڑھا دیے تھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

زندگی کا بھی اپنا ایک معمول ہے۔

روکنے سے رکتی نہیں اور ٹھہرانے سے ٹھہرتی نہیں۔

اس کا اپنا ایک تسلسل ہے۔ ہر رات کے بعد ایک نیا دن اور اس نئے دن کا ایک ڈھلتے سورج کے ساتھ اختتام اور پھر ایک سیاہ رات کے بعد نیا دن!

انسان انہی دنوں کے ساتھ لگا بندھا جیسے مسلسل بھاگتا رہتا ہے اور وقت گزرتا چلا جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو ہمیں وقت کے اس قدر تیزی سے گزرنے کا گمان تک نہیں ہوتا۔ مگر جب کبھی رکتے ہیں اور پلٹ کر دنوں کا اندازہ شمار کرتے ہیں تو پل بھر کو حیران رہ جاتے ہیں بہر حال وقت کا نام ہی گزرنا ہے اور گزرتے جانا ہے۔ مگر اسی وقت کے تیزی سے گزرنے کے باعث رحمہ جہانگیر کی فکر دو چند ہو گئی تھی کہ بھاگتے دوڑتے وقت کی رفتار کے باعث ان کے فائنل ایئر کے فرسٹ سمسٹرز کے ایگزیم سر پر آن پہنچے تھے۔ وہ ہر طرح کی سوچ کو اور فکر کو ایک طرف ڈالتی ہوئی ان دنوں صرف اور صرف کتابوں میں مگن پائی جا رہی تھی۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے کیوں ہو رہا ہے۔ اس کو ان سب باتوں سے قطعی کوئی سروکار نہ تھا۔ حتیٰ کہ ان دنوں اس کا دھیان بلماز حیدر کی طرف بھی نہ جاتا تھا۔ وہ نظر آجاتا تو ہیلو ہائے کر لیتی اور نظر نہ آتا تو ملنے پر قطعی دریافت نہ کرتی۔ دریافت تو وہ پہلے بھی قطعی نہیں کرتی تھی۔ یہ ضرور تھا کہ وہ باتوں ہی باتوں میں احساس ضرور دلا جایا کرتی تھی۔ مگر ان دنوں تو جیسے وہ لاتعلق ہو چکی تھی۔

اور اسی بے خبری کے عالم میں اس نے سنا کہ ماموں اور آنٹی رابعہ نے بلماز حیدر کے لیے اسے مانگا ہے اس نے خبر سنی تو جیسے حواسوں پر ایک بجلی سی گر پڑی۔

"آئی ایم ان لو آئی ایم ان لو!" بلماز حیدر کی بازگشت جیسے از سر نو اس کے ارد گرد گونجنے لگی اور تب وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی یہ سب بہت غیر متوقع تھا' وہ تو ان سب باتوں کے لیے تیار ہی نہیں تھی اور اب سب کچھ غیر متوقع طور پر واقعی ہو چکا تھا۔

ماما نے جب اسے آگاہ کرنے کے بعد اس کی رائے مانگی تو جیسے اس کی بولنے کی صلاحیت مفقود ہو گئی۔ وہ سب خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہ گئی تھی۔

"اگرچہ معاملہ گھر کا ہے۔ بلماز دیکھا بھالا ہے مگر ہم کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل تمہاری مرضی معلوم کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔۔۔!" ماما نے بتایا تھا اور پھر شاید سوچنے اور فیصلہ کرنے کا وقت دے کر کمرے سے چلی گئی تھیں اور وہ جیسے سوچوں کی گہری کھائی میں جا پڑی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

طلب کی منزل نہیں آسان طلب کے راستے ہیں
پتھروں کے
طویل صدیوں کے جیسے ہوں گے تمام لمبے مسافتوں کے!
انہی پر ہم نے کیا نچھاور جو اپنے جیون کی خوشی کو
کبھی نچھاور کیے تھے ہم پر جنہوں نے لمحے رفاقتوں کے
تمام رستے لہو طلب ہیں' سنبھل کے چلنا میرے رفیقوں
بچھا دیے ہیں قدم قدم پر کسی نے کانٹے کدورتوں کے!

طلب کی منزل آسان نہیں۔ اس کے تمام راستے واقعی پتھروں کے ہوتے ہیں کہ چلتے چلتے پاؤں چھلنے لگتے ہیں۔ جانے کیسے پھوٹتی ہے یہ طلب دل میں اور کیسے اپنے آپ ہی قدم راہوں پر جا پڑتے ہیں۔ کیسی غیر مرئی سی کوئی قوت کارفرما نظر آتی ہے اس سارے عمل میں! کہ نظریں دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتیں۔

ذہن جیسے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی نہیں سمجھتا۔

سب کچھ جیسے بے اختیار ہو جاتا ہے۔

یہ جانے بغیر کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟

یہ سوچے بغیر کہ سودا کتنے سود و زیاں کا ہے۔

اس میں سکھ کتنے کم اور راحتیں کتنی محدود ہیں۔

اس کا قیاس کیے بغیر کہ دکھ کے کتنے سمندر عبور کرتے ہوں گے۔ آگ کے کتنے دریا راہ میں حائل ہوں گے پاؤں کتنے نگاہوں پر پڑیں گے۔

کتنی سسکیاں اور آہیں دل کے اندر ہی دبانا ہوں گی۔۔۔!

اور کتنے آنسو یونہی پینے ہوں گے۔۔۔!

درد کے کتنے اتھاہ سمندر ہوں گے۔۔۔!

کتنے کم ثواب اور کتنے زیادہ عذاب۔۔۔!

وہ کتنی دیر تک اسی نہج پر سوچتی رہی تھی۔ شاید تمام شب گزر گئی تھی۔ مگر نیند آنکھوں سے جیسے کوسوں دور تھی۔ مگر وہ ایک اہم فیصلے کے بعد بستر پر آ گئی تھی۔ پھر زبردستی آنکھیں میچ کر جیسے سونے کی کوشش کرنے لگی تھی اور جانے کب وہ اس کوشش میں کامیاب ہوئی تھی۔ البتہ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ آنکھیں کھولے کتنی ہی دیر کھڑکی کے شیشے سے چھن کر آنے والی سورج کی پرتپش روشنی کو دیکھتی رہی تھی۔ پورا وجود جیسے کسی پھوڑے کی مانند دکھ رہا تھا۔ وہ بھی اٹھ کر بیٹھ رہی تھی جب ماما نے دروازہ کھول کر جھانکا۔

"اٹھ گئیں تم۔۔۔!"

"آپ نے مجھے اٹھایا کیوں نہیں!" وہ بہت مدھم لہجے میں پوچھ کر دونوں ہاتھوں سے پشت پر بکھرے ہوئے بال سمیٹنے لگی۔

"میں صبح آئی تھی تمہارے کمرے کی طرف مگر تمہیں سوتا دیکھ کر سوچا رات رات بھر جاگ کر اور کتابوں میں سر کھپا کھپا کر تم نے اپنا حشر کر لیا ہے۔ سو آج آرام کر لو!" ماما نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے انتہائی فکرمندی سے کہا! تو وہ آہستہ سے مسکرا دی۔

"یہ ماؤں کی محبت بھی عجیب ہوتی ہے۔ بچے اچھے خاصے بھی ہوں مگر انہیں ہمیشہ ان کے متعلق فکر لاحق رہتی ہے!"

"اولاد چیز ہی ایسی ہیں!" ماما اس کے چہرے کو تھپتھپاتے ہوئے مسکرائیں۔

"میں تمہارے لیے ناشتا بنانے جا رہی ہوں!" ماما کہتے ہوئے اٹھیں تبھی اس نے انہیں پکار لیا۔

"ماما۔۔۔!"

"ہوں!" ماما نے یکدم رک کر اسے دیکھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی بہت متفکر سی نظر آ رہی تھی۔ چہرے پر ایک عجیب سا جال تنا تھا۔ وہ دوبارہ بیٹھ گئیں۔

"کہو میری جان!" انہوں نے اس کا ہاتھ ہاتھ میں لیتے ہوئے نہایت محبت اور فکرمندی سے دریافت کیا اور تب وہ ان کی سمت دیکھتی ہوئی سر جھکا گئی۔

"ماما میں۔۔۔ میں بلماز حیدر سے کسی قسم کا تعلق استوار نہیں کرنا چاہتی!" ضبط کے تمام سمندر پاٹتے ہوئے بالآخر وہ بول گئی۔۔۔ ماما اس لمحے اسے ساکت سی تکتی رہیں اور تب آہستہ سے اٹھ کر وہ واش روم

میں گھس گئی تھی۔



اور پھر شام میں جب وہ بہت مطمئن سی اپنی بہت ہی فیورٹ سی ڈیز پھیلائے عینی کے ساتھ ہنسی مذاق کرتی ہوئی برائن ایڈم کو سنتے ہوئے محظوظ ہو رہی تھی۔ جب اچانک ہی وہ چلا آیا اور وہ جو کاؤنٹر نمبر پانچ پر مکمل جھومتے ہوئے ساتھ ہی گنگنا بھی رہی تھی۔ اسے دیکھ کر لمحہ بھر کو چونکی پھر مسکرا دی۔

"ہائے کیسے ہو.....؟" باقاعدہ خوش اخلاقی سے دریافت کیا۔ مگر اس کے چہرے کے تاثرات بے حد مختلف تھے۔ چہرے پر ایک عجیب سا تناؤ اور آنکھوں میں ایک گہرا اضطراب تیر رہا تھا۔ اس کو جواب دیئے بغیر وہ بہت آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا اور تب اس نے ریموٹ اٹھا کر سی ڈی پلیئر آف کر دیا تھا ساتھ ہی عینی سے بولی تھی۔

"عینی اب آپ جا کر اپنا ہوم ورک کیجیے.....!"

اس نے فلور کشن پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے عینی کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے اس کے جانے کا انتظار کیا تھا پھر جیسے ہی وہ باہر نکلی تھی۔ وہ اس کی جانب دیکھنے لگا تھا اور وہ جانے کیوں اس پل اس کی سمت نہیں دیکھ سکی تھی سر جھکا کر یونہی کارپٹ کو دیکھنے لگی تھی۔ جیسے اس کے بولنے کی یا کچھ کہنے کی منتظر ہو کہ قصے کو وہ چھیڑے اور وہ اس سے آگے کی کوئی بات کرے۔ مگر جیسے اس کے پاس بھی آغاز گفتگو کا حوصلہ نہ تھا۔ وہ بہت ہولے سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ پھر بہت دھیمے سے انداز میں مسکرا دی تھی۔

"ہیلو بی ایف بہت پریشان لگ رہے ہو۔ کیا تمہاری تمام ایکس گرل فرینڈز نے تمہارے خلاف کوئی یونین بنانے کا اعلان کر دیا ہے؟"

بہت پر مزاح اور شگفتہ انداز میں وہ کہہ کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی اور تب وہ اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"بی ایف تم جانتی ہو ایش کمال میرے لیے کیا ہو گئی ہے وہ میرے لیے بہت اہم ہستی ہے۔"

اس کے تمام لفظ جیسے رحمہ جہانگیر کے دل میں برچھیوں کی مانند پیوست ہوتے چلے گئے۔ وہ لمبا چوڑا مرد جو اس وقت اس کے سامنے حوصلہ ہارے ناتواں سا بیٹھا تھا۔ کتنا بے بس نظر آ رہا تھا۔ اپنی محبت اپنے پیار کو پانے کے لیے۔ ایک با اختیار ہستی تھا وہ مختار کل! مگر کتنی عجیب بات تھی اس لمحے وہ اس کے سامنے بیٹھا اپنا مدعا گوش گزار کر رہا تھا وہ یقیناً "یہی چاہتا تھا کہ وہ اس معاملے میں کوئی اسٹینڈ لے اور وہ خود مکمل طور پر بری الذمہ ہو جائے دو خاندانوں میں نہ تو کوئی دراڑ آئے نہ تعلقات کی کوئی ڈور الجھے نہ کسی پر الزام آئے اور وہ دل کی مراد بھی پا جائے اور وہ تو اس کے کچھ کہنے سے بھی قبل قدم اٹھا چکی تھی۔ اگر وہ اسے اپنی بیسٹ فرینڈ سمجھتا تھا تو اسے کسی قسم کی کوئی بات دہرانے کی ضرورت کہاں تھی۔ اسے کتنی ہی دیر تک وہ خاموشی سے تکتی رہی تھی پھر دھیرے سے مسکرا دی تھی' اپنا نازک سا ہاتھ بڑھا کر اس کے مضبوط ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

"کوئی بات نہیں مجھے یقین ہے کہ میں یہ مسئلہ حل کر لوں گی" وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگا تھا اور تب وہ نظریں پھیر کر یکدم دوسرے جانب دیکھنے لگی تھی۔

"جو کچھ بھی ہوا مجھ سے پوچھے بنا ہوا۔ ورنہ اس بات کی نوبت نہ آتی.....!"

"او کے.....!" وہ ہنس دی۔ "مگر پلیز اب اپنا منہ ٹھیک کر لو۔ ایک تو ہمیشہ بی ایف کہتے ہو اور پھر ہر بات کی وضاحت بھی پیش کرنا چاہتے ہو۔ بھئی دوستی کا تو نام ہی انڈر اسٹینڈ کرنا ہے اور اگر ہم ایک دوسرے کی پرابلمز کو سمجھیں گے نہیں جانیں گے نہیں تو پھر ہم بہترین دوست تو قطعی نہ ہوئے نا!" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"کم آن بی ایف یار اتنے لمبے چوڑے مرد ہو۔ یوں بچوں کی طرح روتی صورت لیے قطعی اچھے نہیں لگ رہے۔ یقین نہ آئے تو آئینہ دیکھ لو" وہ کہتے ہوئے ہنسی تو وہ اس کی جانب دیکھتا رہا پھر دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس پر رکھتے ہوئے لبوں تک لے گیا۔ بہت آہستہ سے چھوتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"یو آر ریئلی گریٹ ون.....!" اور وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

"اب زیادہ مکھن مت لگاؤ۔" اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے کھینچتے ہوئے وہ بولی پھر یونہی سامنے بکھری سی ڈیز کو دیکھنے لگی۔

"تم بہت اچھی ہو رحمہ بہت اچھی۔ یقیناً "تم جس کی زندگی میں قدم رکھو گی اس کی حیات مہک اٹھے گی۔ تم میں اتنی کوالٹیز ہیں کہ تم کسی کا بھی خواب ہو سکتی ہو تمہیں اپنانے والا یقیناً "خوش قسمت ہوگا!" وہ اس کی جانب دیکھتا ہوا بہت دھیمے انداز میں بولا تو وہ ہنس پڑی۔

"وہ خوش قسمت تم بھی تو ہو سکتے تھے.....!" وہ بولی تھی۔ پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی اور اس پل وہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

"میں واقعی بہت بیڈ لک ہوں۔ جانے مجھے تم سے لگاوٹ اور محبت کیوں نہ ہوئی!" بلعاز حیدر کا لہجہ افسردہ تھا جیسے اسے اس بات کا بہت قلق ہو بہت افسوس ہو اور وہ اس لمحے جانے کیوں ہنسنے لگی تھی۔

"شاید اس لیے کہ میری آنکھوں کا رنگ نیلا یا ہرا نہیں یا پھر میرے بال خوبصورت اور سنہری نہیں!" اور اس کے شگفتہ سے جملے پر وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

"تم ان تمام لوازمات کے بغیر بہت خوب صورت ہو!" وہ بولا تھا اور وہ یکدم کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

"ریئلی۔ میں حیران ہوں مجھے اب تک تم سے محبت کیوں نہ ہوئی.....!" وہ مسکراتا ہوا بولا تو وہ جو ہنس رہی تھی۔ یکدم ہونٹ بھینچ گئی۔ پھر دھیرے سے مسکرا دی۔

"شاید اس لیے کہ محبت زبردستی کا سودا نہیں ہے ایک خاص وقت پر خاص فرد سے ہونا مقصود ہوتا ہے۔ محبت وہ شے نہیں کہ پہلی فرصت میں جو سامنے آجائے اسی سے واقع ہو جائے نہ ہی یہ ارادی فعل ہے کہ زبردستی کی جائے یہ تو ایک جذبہ ہے جو خود بخود دل میں پھوٹتا ہے کسی خاص فرد کو دیکھ کر اگرچہ وہ خاص فرد فقط ہمارے لیے خاص ہوتا ہے۔ بظاہر عام سا انسان ہماری سوچوں اور نظروں کے لیے خاص بن جاتا ہے۔ ہمیں خود پتہ نہیں چلتا اور ہم زنجیر الفت ہو جاتے ہیں یہ اضطراب تو بہت ہولے ہولے بے قرار کرتا ہے ہم سوچیں اور کہیں کہ ہمیں فلاں بندے سے محبت کرنی چاہیے یا کرنی ہے تو یہ بالکل فضول سی سوچ ہے۔ کیوں کہ یہ سوچنے سے ہوتی نہیں اور چاہنے سے ملتی نہیں تبھی تو غالب نے کہا ہے۔

عشق وہ آتش ہے غالب
جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے!

وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"فلسفہ اچھا بگھارنے لگی ہو مگر اس کا یہ قطعی مطلب نہیں نکلتا کہ مجھے تم سے محبت نہیں بلاشبہ میں تم سے محبت کرتا ہوں!"

"ہاں جیسی مجنوں کو لیلیٰ سے تھی یا ہیر سے رانجھا کو تھی؟" وہ چھیڑتے ہوئے ہنسی وہ مسکرا دیا۔

"اوں ہوں ویسی ٹیپیکل قسم کی محبت قطعی نہیں، جو کچھ میں تمہارے لیے محسوس کرتا ہوں اسے کوئی نام نہیں دے سکتا۔ تم اسے ایک خاص طرح کی عقیدت بھی کہہ سکتی ہو!" آخر میں وہ شوخی سے ہنسا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"ہاں میں تمہاری گرو ہوں نا؟"

"ہاں کہہ سکتے ہیں اپنی وے میں واقعی بہت شرمندہ ہوں۔ اگر ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ مگر میرا ارادہ تمہارے نسوانی وقار کو کسی قسم کا دھچکا لگانے کا قطعی نہیں تھا!" وہ بولا تو وہ قدرے سنجیدہ ہو کر اس کی طرف ایک نظر دیکھ کر دوسری سمت دیکھنے لگی اور وہ شاید سمجھ گیا تھا کہ وہ اس موضوع پر مزید کچھ سننا نہیں چاہتی تھی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آؤ لانگ ڈرائیو پر چلیں باہر موسم اچھا ہو رہا ہے.....!" اور تب وہ بہت ہولے سے مسکرا دی تھی۔

"اوں ہوں باہر کے موسموں کے روابط کبھی کبھی اندر کے موسموں سے میل نہیں کھاتے آج موڈ نہیں!" وہ یلماز حیدر نے لمحے بھر کو اسے دیکھا تھا پھر اس کے بال بکھراتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

"آئی تھینک یو آر کریزی گرل!"

"مو کین سے بی ایف!" وہ جیسے تسلیم کرتی ہوئی مسکرائی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

پھر سمسٹرز شروع ہوئے تو وہ اس طرف مصروف ہو گئی۔ کلاس کے تمام لوگوں کا ارادہ مطالعاتی دورے پر جانے کا تھا جو کہ ایگزیم کے بعد آنے والے وقفے میں تھا اس کا پورا گروپ بھی تیار تھا سمیت یلماز حیدر کے۔ مگر اس نے سب کے پوچھنے کے باوجود بھی اپنا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا جس دن آخری پیپر تھا۔ اس دن سب لان میں بیٹھے خوش گپیوں کے دوران اسی ٹاپک پر ڈسکس کر رہے تھے۔ وہ اگرچہ ان کے ساتھ موجود تھی مگر اس موضوع پر قطعی بات نہیں کر رہی تھی۔

"محترمہ آپ نے کیا چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے؟" حسن نے دریافت کیا وہ مسکرا دی۔

"نہیں میں تھک گئی ہوں!" عابد ہنس دیا۔

ہاں ان محترمہ کے بقول۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

"خدانخواستہ یار ایسی باتیں تو مت کرو۔ میری اکلوتی پیاری سی کزن ہے۔" یلماز حیدر نے فوراً سائیڈ لی۔

"ہاں مریں رحمہ کے دشمن!" صبا جل کر بولی تو حسن ہنس پڑا۔

"عابد صبا کا اشارہ تمہاری طرف ہے!" وہ بولا تو سب ہنسنے لگے۔ تبھی وقار بولا۔

"یار جلدی سے پروگرام ترتیب دو...... انگریجلے کر لو جانا سب نے ہے....!"

"مجھے اس فہرست سے نکال دو....!" رحمہ فوراً بولی۔

"کیوں آپ کا پروگرام چھچھوں کی ملیاں جانے کا ہے ان چھٹیوں میں ......؟" عابد نے ہنستے ہوئے چھیڑا۔

"افسوس مجھے تمہارا علاقہ دیکھنے کا کوئی خاص شوق نہیں....!" وہ کہہ کر یونہی گھاس سے کھیلنے لگی۔

"رحمہ تم چلو گی....!" یلماز نے حتمی انداز میں کہا۔ مگر تب وہ کچھ نہ بولی' کافی دیر تک وہ لوگ بیٹھے اسی موضوع پر بحث کرتے رہے۔ پھر مجیدے کے ہوٹل کی طرف جانے کا پروگرام بن گیا۔ آئیڈیا آج یلماز حیدر کا تھا عابد اور حسن ہنسنے لگے۔

"یار سوچ لو کہیں پھر آج دعا مت دے جانا....!" اور اس لمحے اچانک ہی رحمہ کی نظر اس سے ملی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔ پھر اس دن سارا دن وہ واقعی ان کے ساتھ رہا تھا۔ بلکہ واپسی میں بھی وہ رحمہ کے ساتھ تھا۔ رحمہ اس کی بدلی ہوئی کیفیت پر چونکی ضروری تھی مگر کچھ دریافت نہیں کیا تھا پھر چھٹیوں میں وہ واقعی ان کے ساتھ نہیں گئی بلکہ سائبر کیفے جوائن کر لیا اور اپنی کورس آؤٹ لائن کے مطابق مختلف انفارمیشن حاصل کرنے لگی وہ لوگ چلے گئے۔ پروگرام تو دس پندرہ روز کا تھا۔ مگر انہوں نے اپنے پرسنل انٹرسٹ پر شاید دورانیہ بڑھا لیا اور جب بیس دن بعد وہ لوٹے تو تب گھر پر ہی تھی۔ یلماز حیدر اس سے ملنے آیا تو کتنی ڈھیروں باتیں تھیں اس کے پاس کتنی بہت سی تصویریں پھیلائے وہ اسے ان حسین ترین دنوں کے متعلق بتا رہا تھا اور اس کی نگاہیں اس کے ساتھ ہر تصویر میں موجود مسکراتی ہوئی ایش کمال پر تھیں۔ وہ اسے شمالی علاقہ جات کے متعلق آگاہ کرنے لگا۔

"ہم لوگوں نے بہت بہت انجوائے کیا۔ مجھے لگا کہ واقعی دنیا بہت حسین ہے۔ پھول' خوشبو' بادل' ندیا اور ٹھنڈی ہوائیں بھی انسان کی زندگی میں خوب صورتی کا رنگ بھرنے کے لیے بے حد معاون ہیں ان تمام وادیوں میں گھومتے ہوئے مجھے تم بے تحاشا یاد آئیں بی ایف اور تب میں نے ہر ہر پل سوچا کہ کاش تم بھی میرے ساتھ ہوتیں تو کتنا اچھا لگتا۔ ریئلی رحمہ میں نے تمہیں بہت مس کیا۔ تم میرے ساتھ کیوں نہیں تھیں؟"

وہ بچوں کے سے ضدی لہجے میں پوچھتا ہوا اسے اس وقت جانے کیوں بہت مختلف لگا اور تب وہ دھیرے سے ہنس دی۔

"کیونکہ میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں....!"

"تم میرے ساتھ ہو سکتی تھیں اگر تم نے کوشش کی ہوتی....!" وہ لمبا چوڑا شخص اپنی منوانے پر بضد تھا اور تب اس نے البم کے صفحات پلٹتے ہوئے ہونٹ بھینچ لیے تھے ایک بہت کلوز تصویر میں ایش کمال یلماز حیدر کے شانے پر سر رکھے کسی بات پر بے تحاشا ہنستے ہوئے دوسرے ہاتھ سے جیسے ہنسی دبانے کی کوشش کرتی ہوئی وہ بہت دلفریب لگ رہی تھی۔ وہ یک دم سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"نہیں یلماز حیدر کبھی کبھی کوششیں کرنے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ یہ راستے بڑے کٹھن۔ مشکل اور مختلف ہیں۔ ان راستوں پر ٹرائے اگین' اینڈ اگین کا کھیل نہیں کھیلا جا سکتا ان راستوں پر کبھی تو کوئی ساتھ ہوتا ہے اور کبھی کوئی نہیں ہوتا کوئی مشق نہیں کہ آپ بار بار کی کوششوں سے وہ کام کرنے کے قابل ہو جائیں یا تجربات کے ذریعے اہل ثابت ہو جائیں یہ زندگی کی وہ سچائی ہے جسے آپ کو کھلی آنکھوں سے دیکھنا اور قبول کرنا پڑتا ہے۔ اس میں سب ہوتا ہے جو ہونا ہوتا ہے۔ جو لکھا ہوتا ہے زندگی کوئی شماریات کا سوال نہیں کہ جس میں فرض کر کے حل نکال لیا جائے یا بار بار کی کوششوں سے آپ اس عمل کو صحیح کرنے کے قابل ہو جائیں۔ نہ ہی یہ کوئی الجبرا کی کوئی پرابلم ہے۔ الس اے آل اباؤٹ فیکٹ....!" اس کا کھویا کھویا انداز دیکھ کر یلماز حیدر لمحہ بھر کو مبہوت رہ گیا۔

"رحمہ جہانگیر....!"

اور تب چونک کر یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی اور اس سے قبل کہ وہ حیرت سے پر چہرہ لیے اس سے کچھ دریافت کرتا وہ اس تصویر پر انگلی رکھتے ہوئے بولی تھی۔

"ایش کمال بہت خوب صورت ہے۔ تم دونوں کا پیئر بہت زبردست لگ رہا ہے....!"

"ہاں اور یہاں معلوم ہے کیا ہوا تھا۔ اس سے کچھ لمحے قبل محترمہ ایک گہری کھائی میں گرتے گرتے بچی تھیں۔ پاؤں پھسل جانے کے باعث اچانک ہی توازن بگڑ گیا تھا اور جب میں نے یکدم ہی ہاتھ تھام کر کھینچ لیا اور اس حرکت پر ڈپٹا تو وہ بے تحاشا ہنسنے لگی تھی۔ پاگل ہے قدرے کسی شے کو سیریس لیتی ہی نہیں حتیٰ کہ زندگی تک کو فقط ایڈونچر اور کھیل سمجھتی ہے اور انجوائے کرنا چاہتی ہے!" وہ بولا تو رحمہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"پھر تو وہ تم جیسی ہے تم بھی تو ایسے ہی ہو....!"

"ہاں....!" وہ دھیمے سے ہنس دیا۔

"مگر تم جانے کیوں مشکل ہوتی جا رہی ہو....؟" وہ جانے کیوں بولا تھا۔

"میں....؟" وہ یکدم حیرت سے تکنے لگی تھی۔

"ہاں پتہ نہیں کیوں آج کل تم میری سمجھ سے بالاتر ہوتی جا رہی ہو۔" وہ صاف گوئی سے بولا تو وہ ہنس دی۔

"تو قصور تو پھر تمہاری سمجھ کا ہوا نا....!"

"رحمہ جہانگیر آئی ایم سیریس رائٹ ناؤ....!"

"اوکے" آئی ایم ٹو....!" وہ ہنس دی۔ پھر یکدم البم میں لگی تصویر پر تبصرہ کرنے لگی۔

"اور یہ موٹو عابد وہاں بھی اسی رفتار سے ٹھونس رہا ہے۔ اسے کب یہ بات سمجھ میں آئے گی کہ اسے بیلنس ڈائٹ کی ضرورت ہے....!" عابد کے زیادہ کھانے پر وہ باقاعدہ تبصرہ کرتی ہوئی بولی تو وہ تب اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"کیا تیر مارا ہے ان دنوں میں....؟" بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"کچھ خاص نہیں بس کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سائبر کیفے جاتی ہوں۔ پھر کچھ گھرداری سیکھ رہی ہوں۔ آج کل ماما کے ساتھ کچن کے کام بھی کرنے لگی ہوں۔ یلماز تمہیں حیرت ہوگی میں نے کئی طرح کی ڈشز بھی بنانا سیکھ لی ہیں۔"

"ویٹس گریٹ مگر ان ڈشوں کو خود بھی کھایا ہے؟؟" اس نے چھیڑا۔

"کیا مطلب ہے؟؟" وہ فوراً" اس کے کہنے پر سیدھی ہو کر بیٹھتی ہوئی اسے گھورنے لگی۔

"ماما پاپا اور عینی سے تم تصدیق کر سکتے ہو۔ میں واقعی بہت اچھے اور مزے دار کھانے بناتی ہوں۔۔۔!"

"اوکے بابا اوکے۔۔۔!" وہ جیسے ہار مانتے ہوئے مسکرایا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

آنکھوں کو کیسے مل سکے خوابوں پہ اختیار!
قوس قزح کے رنگ کہیں ٹھہرتے نہیں
منظر بدلتے جاتے ہیں نظروں کے ساتھ ساتھ
جیسے کہ اک دشت میں لاکھوں سراب ہوں
جیسے کہ اک خیال کی شکلیں ہوں بے شمار

ڈیڑھ ماہ کی چھٹیاں جیسے دنوں میں گزر گئیں۔ فائنل ایئر کے سیکنڈ سمسٹر کا آغاز ہوا تو زندگی جیسے پھر اسی نہج پر آ گئی۔ تقریباً" تمام پیپرز کی رزلٹ شیٹ نوٹس بورڈ پر آویزاں ہو چکی تھیں۔ حسب معمول اس کا رزلٹ ٹاپ پر رہا تھا وہ خوش اور مطمئن تھی۔ شاید کامیابی انسان کو یونہی خوش اور مسرور کرتی ہے۔

"تم بہت لکی ہو رحمہ حسب معمول پوزیشن تمہاری ہی بن رہی ہے۔۔۔!" اس کی ایک کلاس فیلو نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

"جیت کے لیے بھی میدان مخصوص ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک میدان کا فاتح کسی دوسرے میدان میں بھی فاتح ٹھہرے!" اس کا انداز نہ سمجھ میں آنے والا تھا۔

"شاید یہ وہ میدان ہے جہاں محنت کام آجاتی ہے۔ کارگر ہو جاتی ہے اور ایک بات شاید یہ بھی ہے کہ اس میدان میں ہمارے سامنے کچھ مقاصد ہوتے ہیں جنہیں ہمیں حاصل کرنا ہوتا ہے اور ہدف کو سامنے رکھتے ہوئے ہی ہم خود کو تیار کرتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف زندگی کا میدان بھی ہے۔ جہاں ایسا کوئی سلسلہ نہیں۔ بس تقدیر کام کرتی ہے اور اسی کے باعث ہار جیت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ کوئی اپنے مقدر سے فاتح قرار پاتا ہے اور کوئی شکست خوردہ اور۔۔۔۔۔"

"اور یہ کہ باقی تمام لوگ باہر کوریڈور میں کھڑے آپ کے یعنی محترمہ رحمہ جہانگیر کے منتظر ہیں۔ اگر آپ اپنے عمدہ قسم کے فلسفے کا بگھار لگا چکی ہوں تو باہر چلیں!" یلماز حیدر اچانک اس کے سامنے آکر کھڑا ہوتا ہوا بولا تو وہ مسکرا دی۔

پھر اس کلاس فیلو کو ہاتھ ہلاتی ہوئی اس کے ساتھ باہر آگئی۔

"یہ تمہیں ہوتا کیا جا رہا ہے؟؟" اس کے ساتھ چلتا ہوا وہ برہمی سے پوچھنے لگا۔ وہ کچھ دیر تو یونہی سر جھکائے خاموش رہی پھر دھیمے سے مسکرا دی۔

"پتہ نہیں شاید پاگل ہو رہی ہوں۔۔۔!"

"شاید نہیں رحمہ جہانگیر تم واقعی پاگل ہو رہی ہو۔۔۔!" وہ جلے ہوئے انداز میں بولا تو وہ ہنس دی۔

"اچھا۔۔۔!"

پھر جب وہ لوگ کوریڈور میں ہی کھڑے تھے اور یونہی ہنسی مذاق میں مصروف تھے تبھی ایلش کمال آ گئی۔

"لو بھئی یلماز حیدر صاحب آپ کی سبز پری تو آ گئی۔۔۔!" عابد نے ڈارک گرین جدید تراش خراش کے سوٹ میں ایلش کمال کو سامنے سے باوقار انداز میں آتا دیکھ کر مسکراتے ہوئے آگاہ کیا اور جو یلماز حیدر کی اس طرف پشت تھی وہ فوراً" ہی مڑ کر مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا۔

اک سبز پری میرے خوابوں میں آتی ہے چلی جاتی ہے!

وقار دھیمے سروں میں مسکراتے ہوئے گنگنانے لگا۔ حسن نے بھی ادھر دیکھنا ضروری خیال کیا اور صبا وغیرہ کے مسکرانے پر جانے کیوں وہ اس جانب کوئی خاص توجہ نہ دے سکی۔ غیر ارادی طور پر ہی اس کے چہرے کا زاویہ لابی کی جانب سے ہٹ کر دوسری جانب ہو گیا تھا۔ ایلش کمال کے قریب پہنچنے سے قبل ہی یلماز حیدر ان لوگوں کو ایکسکیوزی کہتا ہوا اس کے قریب تھا۔

"کہاں ہو تم نظر ہی نہیں آ رہے ان دنوں!" وہ لوگ ان سے کچھ ہی قدم کے فاصلے پر تھے۔ ایلش کمال کا ایک ادا سے کیا جانے والا شکوہ بخوبی ان سب کے کانوں تک پہنچا تھا اور وہ سبھی مسکرانے لگے تھے۔

"لگتا ہے محترمہ کی قریب کی نظر کمزور ہے۔ بھئی محترم۔۔۔۔ سامنے کھڑے ہیں۔ پھر بھی فرما رہی ہیں نظر نہیں آ رہے ان دنوں۔۔۔!" عابد کو یکدم ہی اعتراض ہوا۔

"بھئی ہو سکتا ہے آنکھوں میں لگے کونٹیکٹ لینس کوئی پرابلم کر رہے ہوں۔۔۔!" حسن بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔

"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا کہ آج ان محترمہ نے کونٹیکٹ لینس دیڑ ہی نہ کیے ہوں!" صبا نے اپنی دانست کے مطابق بتانا ضرور خیال کیا۔

"محترمہ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اپنی ویک آئی سائٹ کے گلاسز نکال کر فوراً" لگا لیجیے کیونکہ محترمہ ایلش کمال کی آنکھیں آج سبز رنگ کی جوت لیے پوری آب و تاب سے چمک رہی ہیں!" وقار کو ہمیشہ بے تکی ہانکنے کی عادت تھی۔ رحمہ ان سب کی باتوں سے قطع نظر گردن گھمائے ایڈمنسٹریشن بلاک کی جانب دیکھتی ہوئی جانے کیا تلاش رہی تھی۔ ان سب کی نظریں اب بھی ایلش کمال اور یلماز حیدر پر تھیں جانے دونوں ہولے ہولے کیا باتیں کر رہے تھے آوازیں ان تک قطعی نہ پہنچ رہی تھیں۔

چلو کہیں دور یہ سماج چھوڑ دیں
دنیا کے رسم و رواج چھوڑ دیں

عابد نے اپنی بھونڈی آواز میں اس لمحے گنگنانا بے حد ضروری جانا یلماز حیدر اسی لمحے پلٹا پھر ان سے معذرت کرتا ہوا ایلش کمال کے ساتھ رخصت ہو گیا۔

"لو بھئی ہیرو تو گیا۔۔۔!" عابد کی نظریں ان دونوں پر ہی تھیں۔

"تمہیں کیوں افسوس ہو رہا ہے۔۔۔؟" حسن نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ تو سب ہنسنے لگے۔ وہ برا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

"چلو میڈم نجمی کی کلاس ہے۔۔۔!" تبھی رحمہ ریسٹ واچ کی جانب دیکھتی ہوئی بولی تو ان سب نے سر ہلاتے ہوئے کلاس روم کی جانب قدم بڑھا دیے۔

♥ ♡ ♡ ♥

میری زندگی میں بس اک کتاب ہے اک چراغ ہے اک
خواب ہے اور تم ہو
یہ کتاب و خواب کے درمیان جو منزلیں ہیں میں چاہتا تھا
تمہارے ساتھ سفر کروں
وہی کل اثاثہ زندگی ہے اسی کو زادِ سفر کروں
میرے دل جادہ خوش خبر پہ بجز تمہارے کبھی کسی کا گزر نہ
ہو
مگر اس طرح کہ
تمہیں بھی اس کی خبر نہ ہو!

اس شام وہ اس کی طرف آیا تو بہت شکستہ حال سا تھا۔ رحمہ اسے دیکھ کر چونک سی گئی "خیریت؟"

"ممی ڈیڈی جانے کیوں میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے!" وہ کہتا ہوا اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا۔۔۔؟" وہ جیسے کچھ اخذ کرنے کے خیال کے تحت بولی۔ مگر وہ اس پل نفی میں سر ہلانے لگا۔

"زندگی کی ہر خواہش پوری کرنے والی ہستیاں

جانے ان لمحوں میں اتنی کٹھور کیونکر بن جاتی ہیں!"

"ہوا کیا ہے؟" وہ فکرمندی سے بولی۔

"ممی ڈیڈی یہ نہیں سمجھ رہے کہ ایش کمال میری زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔۔۔!"

اوہ تو اس کا قیاس کسی قدر درست تھا۔ وہ پرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"تم سچویشن کو آرام سے ہینڈل کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا!"

"رحمہ ان کے خیال میں میرے لیے بہترین انتخاب تم تھیں! وہ کسی اور کو اس زاویے سے دیکھنے کو کسی طور تیار ہی نہیں ان کا خیال یقیناً" یہی ہے کہ اس طرح کا کوئی اقدام یقیناً" یہی ظاہر کرے گا کہ تم کو ٹھکرا کر یقیناً" تم سے کوئی اعلیٰ ہستی کو ترجیح دی گئی۔۔۔!" وہ قدرے جذباتی انداز میں بولا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

پھر کچھ سوچتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہو گی۔ میں ماموں اور آنٹی سے بات کروں گی۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ماموں خصوصاً" میری بات نہیں ٹالیں گے۔۔۔!" اس نے دلاسا دینے کو اس کے ہاتھ پر دھیرے سے اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور جانے کیوں اس پل وہ اس کی سمت سے نظریں چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"مگر آنٹی اور ماموں کو راضی کرنے سے قبل کیا تم نے ایش کمال کو بھی ہم خیال کیا ہے میرا مطلب ہے کہ ایسا نہ ہو اس کی فیملی کی طرف سے کوئی رکاوٹ آئے۔۔۔!" اس نے دور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا مسکرا دیا۔

"یو آر ریئلی ویری کوئیک سائٹ!" اور وہ جواباً" مسکرا دی۔ پھر بولی۔

"ہلماز حیدر رشتے جوڑنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے آنٹی اور ماموں اسی باعث سوچ کر تمہیں باز رکھ رہے ہوں کہ وہ اسٹیٹس میں تم سے کہیں زیادہ ہے۔۔۔!"

"ہو سکتا ہے لیکن میرا خیال ہے۔ ایسی بات نہیں ہے۔۔۔!" وہ سرہلاتا ہوا بولا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"پھر بھی تمہیں ایش کمال سے اس سلسلے میں بات ضرور کرنی چاہیے۔ تاکہ بعد میں کوئی پریشانی اٹھانا نہ پڑے۔۔۔!"

پھر وہ کافی دیر تک اس کو اسی نہج پر سمجھاتی رہی۔ دوسرے دن وہ ماموں کی طرف بھی گئی وہ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس لیے اسے یقین تھا کہ وہ اس کی بات قطعی نہیں ٹالیں گے اور واقعی جب اس نے بہت سلیقے سے بات کی تو ماموں نے نیم رضامندی ظاہر کر دی تھی اور وہ اس وقت ایک اطمینان بھری گہری سانس خارج کرتی ہوئی وہاں سے لوٹ آئی تھی۔ پھر جیسے اس کے خیال میں سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا۔

کیونکہ ہلماز حیدر کے چہرے پر ان دنوں مکمل طور پر سکون ہی سکون تھا اور اسے دیکھ کر کسی قدر وہ بھی مطمئن تھی۔



میرے شانوں پر سر رکھ کے

آج

کسی کی یاد میں وہ جی بھر کے رویا!

زندگی کبھی کبھی جانے کیسے رنگ دکھاتی ہے کہ سب تدبیریں دھری رہ جاتی ہیں اور جیسے سارے بندھ ٹوٹ جاتے ہیں۔

زندگی کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ یہ مرضی کے ہمیشہ مخالف سمت سفر کرتی ہے۔ انسانی خواہشات جس جانب گامزن ہوں۔ اس سمت یہ کبھی بھی سفر نہیں کرتی۔ بلکہ اس سے دوسری طرف ہمیشہ اس کا بہاؤ رہتا ہے۔

زندگی میں بہت سے لوگوں کو بہت کچھ بن مانگے ہی بہت کچھ مل جایا کرتا ہے اور بہت سوں کی ریاضتیں بھی جیسے ناکافی پڑ جاتی ہیں۔ اس نے صدق دل سے اس شخص کے لیے دعا مانگی تھی کہ اسے اس کی منزل مل جائے اور بلاشبہ مکمل ایمانداری کے ساتھ اور سچے دل کے ساتھ وہ ماموں کی طرف بھی گئی تھی مگر کچھ مرحلے تقدیر بھی طے کرتی ہے اور اس لمحے تقدیر پھر مخالف سمت سفر کر رہی تھی۔ اس لمبے چوڑے شکست خوردہ شخص کو لمحہ بھر۔۔۔۔۔ اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر جیسے اس کا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔ ذہن و دل میں لمحہ بھر کو ہی خطرے کی کئی گھنٹیاں بج اٹھی تھیں۔

"ہلماز حیدر۔۔۔!" وہ خشک زبان کو بامشکل تر کرتے ہوئے فقط یہی کہہ سکی تھی اور ہلماز حیدر نے اس لمحے دو قدم کا فاصلہ عبور کرتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کے شانے پر بہت ہولے سے اپنا سر رکھ دیا تھا اور پھر اس کے اندر کا بہت سا گرم گرم لاوا رحمہ جہانگیر کے کمزور ناتواں شانے پر بہہ کر پھیلنے لگا تھا۔

اس گھڑی۔ رحمہ جہانگیر نے اس سے کچھ دریافت نہیں کیا تھا۔ ایک لفظ بھی پوچھے بغیر جیسے وہ تمام حقیقت کی تہہ تک جا پہنچی تھی۔ ہلماز حیدر کے درد پر جیسے اس کا دل چھلنی ہو گیا تھا۔ بہت مشکل سے جیسے وہ خود پر بند باندھتی ہوئی اس لمبے چوڑے شخص کو سنبھالنے لگی تھی۔

مگر تسلی کے لیے نہ تو اس کی زبان پر کوئی حرف تھے۔ نہ ہی کوئی سوال! نہ شکایت۔۔۔ نہ ملامت۔

بس اس نے اپنا نازک سا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ دیا تھا۔



کئی دن تک ہلماز حیدر اسی کیفیت میں اپنے کمرے میں بند رہا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ صورتحال معمول پر آنے لگی تھی۔ ہر درد کا مداوا جیسے موجود ہے۔ ہر درد ختم ہو جاتا ہے۔ وقت سب سے بڑا مرہم ہوتا ہے۔ وہ لمبا چوڑا شخص سنبھل رہا تھا اور اس میں بہت دخل اس کی کوششوں کا بھی تھا۔ کتنے مخلص لفظ تھے۔

کتنے حوصلے تھے۔

کتنی چھوٹی چھوٹی باتیں تھیں۔ جو اس شخص کو اس ناتواں کمزور سی لڑکی سے ملی تھیں اور قدم قدم پر اس کا حوصلہ بندھاتے ہوئے جانے کیوں وہ ہر پل یہی سوچتی تھی کہ ایش کمال نے ہلماز حیدر جیسے چاہنے کے قابل شخص کو کیوں ٹھکرا دیا۔

پیار کے تو پل دو پل ہی کافی ہوتے ہیں اور ہلماز حیدر تو اپنا پورا جیون ایش کمال کو سونپ دینا چاہتا تھا۔

ایک محبت کا سمندر اس کے پاس تھا۔

ایک جذبوں کا جہاں اس کی مضطرب آنکھوں میں مقید تھا۔ ایک خوشبوؤں کا خوبصورت جزیرہ اس کے دل میں فقط اس کے لیے آباد تھا۔ پھر جانے کیسے وہ منکر ہو گئی۔

اسے دلربائی سے انگلی تھام کر۔ آگے تک لے گئی اور پھر جسٹ فرینڈشپ کا نام دے کر ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

اس نے سنا تھا بے وفائی ہمیشہ مرد کا شیوہ رہی ہے۔

عورت وفا کی پتلی ہے۔

وفاؤں کی جیتی جاگتی تصویر ہے اور اس لمحے وہ اس لوجک کو سمجھنے میں مکمل طور پر ناکام رہی تھی۔ شاید یہ معاملہ مس انڈراسٹینڈنگ کا ہو۔ یا کسی طرح کی مس پرسیپشن کا۔ بہرحال وہ کئی دنوں تک اسی نہج پر سوچتی رہی تھی۔ پھر انہی دنوں اس کے فائنل سمسٹرز کے ایگزیم سر پر آن پہنچے تو وہ خود کو بہت مشکل سے اسٹڈی کی طرف لائی۔

اور اس دن جب وہ پیپر دے کر نکل رہی تھی۔ تو اس روز اچانک ہی ایش کمال سے اس کا سامنا ہو گیا۔

"ہیلو۔ نائس گرل۔ ہاؤ آر یو۔۔۔ واٹس گوئنگ آن؟" اس کے ساتھ پرتپاک انداز سے ملتے ہوئے وہ مسکراتی ہوئی پوچھنے لگی۔ تب وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔ پھر ادھر ادھر کی کئی نارمل قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔

"کہاں جا رہی ہو۔ آؤ میں چھوڑ دوں!" اس نے فوراً" پیشکش کی تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی اور تب وہ اسے چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ اور جیسے اس لمحے اس کے ذہن پر ایش کمال کی آنکھیں چپک کر رہ گئیں۔۔۔ گہری نیلی آنکھیں۔

نیلی آنکھوں والے بے وفا ہوتے ہیں!

جانے کب کا سنا ہوا جملہ اس کے ذہن میں یکدم ہی گونج گیا۔۔۔ اور تب وہ سر جھٹکتے ہوئے سوچنے

لگی۔

ہو سکتا ہے ایش کمال کی فطری دوستانہ طبیعت کے باعث سب کچھ ہوا ہو۔۔۔ جو کچھ ہلماز حیدر نے محسوس کیا۔ فقط اس کا یکطرفہ جذبہ ہو۔۔۔ اور وہ سمجھ رہا ہو کہ ایش کمال بھی اسے چاہتی ہے مگر در حقیقت ایسا نہ ہو۔۔۔ وہی مس پرسیپشن والا معاملہ! اور جانے یہ معاملہ کیا تھا۔۔۔ وہ سمجھتے سمجھتے جیسے خود الجھنے لگی تھی۔

پھر جس روز ان کا آخری پیپر تھا۔ وہ ساری کلاس کے لوگوں کے ساتھ مل کر دیر تک انجوائے کرتے رہے تھے۔ پیپر دینے کے بعد لان میں بیٹھ کر اور پھر لابی میں بیٹھ کر انہوں نے کتنا ہلا گلا کیا۔ کتنے اوٹ پٹانگ سونگز گائے تھے۔ پھر مل کر الوداعی ملاقات پر کیک کاٹا گیا تھا۔ اور پھر اس کے بعد آخری بار پوری کلاس کے لوگ مل کر مجیدے کے ہوٹل پر پلاسٹک اور سلور (کانسی) کی پلیٹوں اور چمچوں میں بریانی اور نہاری کھانے کے لیے بطور خاص گئے تھے۔

سارا دن ہنسی مذاق میں گزرا تھا۔ کتنی تصویریں بنائی گئی تھیں۔ پورا دن جیسے بہت بڑی یادگار کے طور پر گزارا گیا تھا۔ واپسی میں وہ سب مل کر واپس ڈیپارٹمنٹ میں آئے تھے' سب کے ساتھ فون نمبر اور دیگر اہم اشیا کے تبادلے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے سے بطور خاص نوٹ بکس پر لکھوایا گیا تھا۔ کوئی اچھا جملہ کوئی الوداعی فقرہ۔

اور اس دن ہلماز حیدر بھی بہت مسرور نظر آرہا تھا اور اسے مسکراتا دیکھ کر جیسے وہ بھی اپنے اندر ایک سکون سا اترتا ہوا محسوس کررہی تھی۔

اس روز وہ شام ڈھلے یونیورسٹی سے نکلے تھے۔ ہر شے کو جیسے حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے۔ پھر اپنے گروپ کے لوگوں اور کلاس فیلوز سے مل کر جب وہ واپسی کے لیے نکل رہے تھے تب ہی ہلماز حیدر بولا تھا۔

"بچھڑتے ہوئے اتنا دکھ کیوں ہوتا ہے۔ جیسے روح جسم سے جدا ہو رہی ہو۔۔۔ یا جیسے جان نکل رہی ہو۔"

اور تب اس کے کھوئے کھوئے سے انداز پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"جدائی کا نام ہی درد ہے۔ اس لفظ کے سنتے ہی جیسے ایک گہرا کرب اندر تک سرایت کرنے لگتا ہے۔ دراصل ہم اپنے دوستوں اپنے عزیزوں سے بچھڑنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔ انہیں نظروں سے دور جاتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔ جنہیں ہم چاہتے ہیں انہیں صدا نظروں کے قریب اور دل میں رکھنا چاہتے ہیں۔" وہ بولی تھی۔

"مگر ایسا ہوتا کیوں نہیں۔۔۔ جب ہم اتنا چاہتے ہیں تو پھر وہ ہم سے کھو کیوں جاتے ہیں۔" وہ بولا تو جیسے وہ تڑپ کر رہ گئی۔ اس کی بات کا یقیناً" اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ تب ہی وہ گردن کا رخ پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔

پھر ان دنوں جب وہ فارغ تھی۔ انہی دنوں ربیعہ آنٹی کا لیٹر آگیا۔ وہ ان دنوں مری میں مقیم تھیں۔ نائنٹین گریڈ آفیسر اس کی جواں سال خالہ ہمیشہ سے اس کی آئیڈیل رہی تھیں۔ بے حد حسین اور اسمارٹ۔ مگر پینتیس برس کے طویل عرصے کے گزر جانے کے باوجود بھی جانے انہوں نے شادی کیوں نہ کی تھی۔ وہ رحمہ سے بے حد محبت کرتی تھیں اور اس کے بچپن کی کئی ویکشنز انہی کے ساتھ گزری تھیں۔ اب بھی جب ان کو پتہ چلا تو نا صرف انہوں نے لیٹر لکھ کر اسے اپنے پاس بلوایا۔ بلکہ بطور خاص فون پر بھی کہا اور تب وہ سامان پیک کرنے لگی۔ ان دنوں یوں بھی اس کے پاس کرنے کو کچھ نہ تھا۔ پھر جیسے اس تمام ماحول سے کچھ دنوں تک وہ بھی فراغت چاہتی تھی۔ تب ہی ان کے پاس چلی آئی۔

پھر کتنے دنوں تک وہ ان کے ساتھ رہی۔ ربیعہ آنٹی نے اس پر مکمل توجہ دی۔ چھٹیاں لے کر وہ بہت سے خوبصورت علاقوں کی سیر کو نکلیں۔۔۔ ہرنائی۔۔۔ کاغان۔۔۔ سوات۔۔۔ ٹھنڈیانی اور اس جیسے بہت سے علاقے۔

"تم میرے ساتھ کیوں نہیں تھیں۔۔۔؟"

ہر ہر جگہ پر قدم رکھتے ہوئے یلماز حیدر کی آواز اس کا تعاقب کرتی رہی اور وہ ہر بار کی طرح ہر تصور کو توڑنے کے لیے اور فراموش کرنے کے لیے سر جھٹکتی رہی۔

پھر جب وہ واپس مری لوٹی۔ تب پتہ چلا کہ یلماز حیدر نے اسے کس قدر فون کیے ہیں۔ ملازم کے جتانے پر وہ سر ہلاتی ہوئی اوور کوٹ پہن کر باہر نکل گئی اور پھر جب لمبی واک کے بعد واپسی کے لیے گھر کی طرف جارہی تھی تو تب ہی بارش شروع ہو گئی۔

وہ تقریباً" بھاگتی ہوئی کاٹیج کے گیٹ تک پہنچی اور اس ملگجے اندھیرے میں گیٹ کے باہر کھڑے یلماز حیدر کو دیکھ کر جیسے وہ ساکت رہ گئی۔ وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ بارش کی شدت میں اضافہ ہو چکا تھا۔ اور وہ مکمل طور پر بھیگ چکی تھی مگر اس پل جیسے اسے احساس ہی نہ ہوا تھا۔

یلماز حیدر اسے دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھا تھا اور ایک دیوانگی کے عالم میں اسے تھام کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے جیسے بے خود ہو گیا تھا۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم..... مجھے چھوڑ کر..... جانتی ہو۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تمہاری دوری سے مجھے لگا کہ میں ادھورا ہوں۔ تمہارا وجود میری مکمل زندگی کا حصہ ہے۔ پھر کیوں تم نے مجھے تنہا چھوڑ دیا۔" لفظ جیسے بے خودی کا مکمل غماز تھے..... اور رحمہ جہانگیر کے لیے وہ لمحہ جیسے خواب تھا۔ اس کی گرفت سے خود کو آزاد کراتے ہوئے اس نے بہت حیرت سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ اس کی گہری مضطرب نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

اس سرد اور منجمد کر دینے والے موسم میں بھی۔ جیسے ان آنکھوں سے بجلیاں سی کوند رہی تھیں..... اس کا سارا وجود جیسے جلنے لگا تھا۔ پگھلنے لگا تھا اور تب جیسے اس کے لیے وہاں ٹھہرنا محال ہو گیا تھا۔ وہ نظریں جھکاتی ہوئی یکدم ہی اس کے قریب سے ہوتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی اور پھر اپنے کمرے میں آکر دروازہ بند کر کے کتنی ہی دیر تک وہ گہرے گہرے سانس لیتی رہی تھی۔

پورا وجود جیسے ایک تپش کے حصار میں تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

کبھی کبھی جن باتوں کا احساس ہمیں بہت قریب رہ کر نہیں ہو پاتا۔ ان کا احساس کچھ پل کی دوری سے ہو جاتا ہے۔ مگر ضروری نہیں کہ تب لمحے بھی ہماری گرفت میں ہوں۔ وہ قطعی طور پر سمجھ نہیں پائی تھی کہ کل تک ایش کمال سے محبت کا دم بھرنے والا یلماز حیدر اور اس بات پر سوچتے ہوئے حیران ہونے والا کہ۔

"مجھے تم سے محبت کیوں نہ ہوئی۔" آج اس سے کیسے اظہار الفت کر رہا ہے۔

اس نے سنا تھا۔ محبت لامتناہی سلسلہ ہے۔ جو کسی ایک مقام تک ٹھہرتی نہیں رکتی نہیں۔ کسی ایک نقطے پر منجمد نہیں ہوتی۔

یہ سرد برف کی طرح نہیں ہوتی کہ اس کا کوئی نقطہ انجماد مخصوص ہو۔ یہ تو سیال لاوے کی طرح پھیلتی ہے۔ اور بڑھتی اور پھیلتی چلی جاتی ہے۔ پر تپش دہکتی ہوئی، جلتی بجھتی محبت۔

اپنے دہکتے ہوئے احساس اور پر تپش جذبوں سمیت۔

ایک پر حرارت احساس کا نام۔

جو بدن میں دوڑتے خون کی مانند ہو۔

مگر.....!

یہ بھی تو ہے کہ وقت ہمیشہ گرفت میں نہیں رہتا۔ لمحے بھاگتے دوڑتے تسلسل کا نام ہیں اور گئے لمحے بہت کچھ دیتے ہیں تو لے بھی جاتے ہیں۔

اگر آج کوئی شے آپ کی گرفت میں ہے تو ضروری نہیں کہ اس سے اگلے پل بھی وہ آپ کی گرفت میں رہے۔

بہت سی چیزوں کو پکڑنے اور انہیں گرفت میں رکھنے کو وقت کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔

اور پھر یہ بھی تو ہے نا کہ وقت گزرنے کے بعد طلب مر جاتی ہے۔

ایسے ہی جیسے شدید پیاس ہو اور آپ کو قطرہ بھر پانی بھی نہ ملے۔

اور جب پیاس کی شدت ٹوٹ جائے تو ایک سمندر آپ کے پاس چلا آئے اور تب آپ کو پیاس ہی نہ ہو۔

زندگی کسی معاشی قانون کے تحت کاربند نہیں..... نہ ہی کسی معاشی اصطلاح کے گرد گھومتی ہے۔ مگر کچھ سچائیاں زندگی کی بھی ہوتی ہیں۔

جو اپنی مکمل سچائیوں سمیت وقوع پذیر ہوتی ہیں۔

اور جنہیں بہر طور ماننا بھی پڑتا ہے۔

یقیناً" یہ وہ وقت تھا..... جب وہ چاہتی تو ہاتھ بڑھا کر سمندر گرفت میں لے سکتی۔

مگر اب وقت جیسے وہ تھا۔

جب پیاس مر جاتی ہے۔

شدت ٹوٹ جاتی ہے۔

پھر چاہے سامنے سمندر ہو.....

یلماز حیدر اور وہ ایک ساتھ کراچی واپس لوٹے تھے..... یہاں آکر اسے علم ہوا کہ اس نے حسب روایت آنرز کی طرح اپنی فرسٹ پوزیشن کا اعزاز برقرار رکھا ہے۔

اور یہ جیسے متوقع فتح تھی۔ تب ہی جب اس نے اس خبر کو سنا بھی تو کسی خاص خوشی یا تاثر کا اظہار نہیں کیا..... حالانکہ ماما پاپا نے اس خوشی پر ایک پارٹی کا اہتمام کیا اور اس کے تمام دوستوں کو مدعو کیا اور وہ اتنی پذیرائی کے باوجود بہت رسمی سے انداز میں مسکراتی رہی۔ پھر اپنے ہی ڈیپارٹمنٹ میں اسے اپوائنٹ کر لیا گیا..... بحیثیت لیکچرار تدریسی سرگرمیاں انجام دیتے ہوئے جیسے وہ کسی حد تک مگن سی ہو گئی۔ دل جیسے بہلنے سا لگا۔ اپنی خوبصورت اور دیدہ زیب پر کشش پرسنالٹی کے باعث وہ اپنے اسٹوڈنٹس کی موسٹ فیورٹ لیکچرار تھی۔ یلماز حیدر بھی اپنے ڈیڈی کے بزنس کو سنبھالتے ہوئے آج کل خاصا مصروف سا تھا۔ وہ اب بھی اسی طرح بہت اچھے دوست تھے۔ اکثر فرصت کے لمحات میں مل کر بیٹھتے تو گئی گزری باتوں کو یاد کرتے ہوئے تا دیر محظوظ ہوتے رہتے۔ اگرچہ فقط ایک سال کا عرصہ گزرا تھا مگر پلٹ کر دیکھتے تو لگتا عرصہ دراز بیت چکا ہے۔

پھر انہی دنوں رحمہ جہانگیر نے سنا کہ یلماز حیدر نے اسے ایک بار پھر پروپوز کیا ہے اور اس بار ماموں اور آنٹی ایک بار پھر یہ مدعا لے کر حاضر ہوئے تھے۔ ماما نے ایک بار پھر اس کی مرضی معلوم کرنا ضروری خیال..... کیا.....!

اور تب اس نے سر ایک بار پھر نفی میں ہلا دیا۔

"فی الحال تو قطعی نہیں ماما..... میں ہائیر اسٹڈی کے لیے برمین جا رہی ہوں۔" اس کا لہجہ بے حد قطعی تھا۔ ماما کتنی ہی دیر تک اسے دیکھتی رہی تھیں۔ اور پھر کچھ کہے بغیر واپس لوٹ گئی تھیں۔

پھر جب یلماز حیدر کو پتہ چلا تھا تو وہ پہلی ہی فرصت میں اس کے مقابل تھا۔

"تم مجھے اس طرح نہیں توڑ سکتیں رحمہ جہانگیر..... تم جانتی ہو تم میرے لیے بہت اہم ہو..... میرے دل میں ہمیشہ ہی تمہارے لیے بہت گنجائش رہی ہے۔ تم تو بنا کہے میری ہر ضرورت جانتی تھیں۔ بنا کہے سب جان جاتی تھیں۔ پھر تمہیں باور کرانے کی ضرورت مجھے آج کیونکر پیش آگئی.....!!" اس کے شانوں پر اپنے مضبوط ہاتھ رکھے اسے تقریباً" جھنجھوڑتے ہوئے وہ دریافت کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں کی گرفت جیسے اس کے نازک شانوں پر ایک اضافی بوجھ تھا۔ تب ہی بہت آہستہ سے اس کی جانب دیکھے بغیر اس نے اس کے ہاتھ ہٹا دیئے تھے اور پھر وہاں سے ہٹ گئی تھی اور یلماز حیدر بے بس سا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

یہ تو سچ ہے کہ ہم کو بچھڑ جانا ہے
تم کو مڑنا ہے مجھ کو ٹھہر جانا ہے
ساتھ یہ پل کا عمر بھر کا نہیں
ہم ملیں گے کبھی بھی آئندہ نہیں
تو چلو یوں کریں

آخری بار کھل کر ایسے ملیں
زخم سارے سلیں
پھر کبھی بھی ملیں جب تو کوئی بھی عکس
اپنی آنکھوں میں چہرے پر آواز میں
جاگتا ہی نہ ہو
اور دل پھر سے ان ہی گئی ساعتوں کو
مانگتا ہی نہ ہو
تو چلو یار من ——!
آج آخری بار کھل کے باتیں کریں
اور کبھی نہ ملیں ——!

اور اس روز جب اسے جانا تھا۔ وہ دن بھر اس کے ساتھ رہا تھا۔ یعنی وہ اور بلماز کتنے مقامات پر گئے تھے۔ کتنی ڈھیر ساری شاپنگ کی تھی اور پھر آخری بار سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھتے ہوئے جیسے اس کی نگاہیں منجمد ہو گئی تھیں۔

"کتنا دلکش منظر ہے نا یہ ——!" وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی تھی۔ بلماز حیدر نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا تھا۔ پھر دھیرے سے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ دھر دیا تھا۔

"مجھے یہ منظر قطعی اچھا نہیں لگتا۔ بلکہ مجھے یہ منظر ہمیشہ ایک پرورد کیفیت کا اظہار کرتا نظر آیا ہے۔ مجھے جدائی کی گھڑیاں اچھی نہیں لگتیں —— بچھڑنے والے لمحے اچھے نہیں لگتے یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب ایک دن جدا ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد جیسے طویل شب کا کرلاتا ہوا اندھیرا ——!!"

"مگر یہ تو قانون قدرت ہے۔ ملنا بچھڑنا تو ریت ہے۔" وہ بہت ہولے سے بولی تھی۔

"ہاں مگر —— جیسے جسم سے جان سی نکلتی ہے اس ایک گھڑی میں!!!" وہ بہت دھیمے انداز میں بولا تھا اور اس لمحے رحمہ اسے ایک نظر دیکھتی ہوئی دوبارہ اسی منظر کو بغور تکنے لگی۔ تب ہی وہ بہت ہولے سے بولا تھا۔

"مت جاؤ —— رک جاؤ نا ——!!"

اور تب وہ یکدم ہی اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

جانے کیا تھا اس کی نظروں میں کہ وہ زیادہ دیر دیکھ نہ سکی تھی اور نظریں جھکا گئی تھی۔ تب ہی وہ بولا تھا۔

"مجھے اس بات کا خود احساس نہ تھا کہ میری ضرورت تم ہو۔ میرے لیے تمہارا وجود ضروری ہے۔ حیرت ہے تم اتنا عرصہ میرے پاس رہیں۔ ساتھ ساتھ رہیں اور میں کبھی اس حقیقت کو سمجھ ہی نہ سکا۔ جان ہی نہ پایا کہ میرے اندر تو ہمیشہ سے تم تھیں —— ایلش کمال کی چمکتی دمکتی شخصیت کی جانب میری توجہ کا مبذول ہونا۔ ایک فطری قدم تھا۔ مگر مجھے آج لگتا ہے وہ محبت نہیں تھی شاید —— !میں تم سے جب بھی دور ہوا ہوں میں نے ہمیشہ تمہارے متعلق ہی سوچا ہے۔ ارادی یا غیر ارادی طور پر تمہارا تصور میرے ذہن کے ساتھ چپکا رہا ہے۔ تب بھی جب میں اسٹڈی ٹور پر تھا۔ ایلش کمال میرے ساتھ ساتھ تھی —— میں تمہارے متعلق سوچ رہا تھا اور آج بھی جب کبھی تم سے دور ہو کر آنکھیں بند کرتا ہوں تو بنا سوچے فقط تمہاری صورت ہی آنکھوں کے پردوں پر کھنچ جاتی ہے۔ میں نے بہت دیر میں جانا —— !بہت دیر میں سمجھا۔" بہت دھیمے سے لہجے میں کہتا ہوا جانے اس لمحے وہ اس قدر شکستہ کیوں لگا۔ وہ بہت غیر ارادی طور پر اس کی طرف دیکھتی چلی گئی تھی۔

"میں جانتا ہوں رحمہ۔ یہ ضروری نہیں کہ اب اگر میں تمہاری جانب پلٹا ہوں تو تم بھی میری پذیرائی کرو۔ تمہارے اس رویے کا یقینا" میں اہل ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں۔ محبت زبردستی کا سودا نہیں اس لیے میں تمہیں زبردستی قید یا پابند بھی نہیں کروں گا۔ یقینا" تم ہر فعل و عمل کے لیے آزاد ہو۔ مگر میں اتنا ضرور جانتا ہوں۔ تم کہو نہ کہو مگر ہم ایک دوسرے کی ضرورت رکھتے ہیں !ہم ایک دوجے کی ضرورت ہیں۔ میں اس وقت کا انتظار کروں گا جب تم میری طرف لوٹ سکو۔"

"نن نہیں ——!!" وہ یکدم بول گئی تھی۔

"میں تمہیں ایسا کوئی سنہرا خواب سونپ کر جانا نہیں چاہتی۔ دنیا محدود نہیں۔ کسی اچھے ساتھی کو چن کر اپنی نئی خوشگوار زندگی کا آغاز کر دینا۔ زندگی میں

ضرورتیں صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ ضرورت محبت کی ہوتی ہے۔ بس اسے ختم یا کم نہیں ہونا چاہیے۔"

"مگر محبت کے لیے بھی تو کسی خاص فرد کی ضرورت باقی بچتی ہے۔" وہ یکدم بولا تو وہ کوئی جواب دیے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساحل کی گیلی گیلی ریت پر چلتی ہوئی جانے کیوں اس لمحے وہ بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ ہر اٹھتا ہوا قدم جیسے بہت بھاری تھا۔ بلماز حیدر نے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔ پھر سگریٹ سلگانے لگا تھا۔

کبھی یوں ہوا تم رکے میں چلا
کبھی یوں ہوا تم چلے میں رکا
کبھی ہم تم اک ساتھ ہوں
سانجھے اپنے دن رات ہوں
ایسا کیوں نہ ہوا
آنکھیں ہیں سوکھی باتیں ہیں روکھی
ہم تم رہے ساتھ ہی اے میری زندگی
دن ڈھل گئے راتیں گئیں ——
لب جل گئے باتیں گئیں ——
مل کے بھی ہم کیوں نہ ملے ——
ایسا کیوں نہ ہوا ——!!
کبھی یوں ہوا تم رکے میں چلا ——
خوابوں کے بادل کتنے ہی چھائے ——
لیکن رہی دھوپ ہی اے میری زندگی ——
ہر موڑ تھا اک سائباں ——
ہر گام تھا بڑا مہرباں ——!
منزل مگر کیوں نہ ملی ——!
ایسا کیوں نہ ہوا ——
کبھی یوں ہوا تم رکے میں چلا
کبھی یوں ہوا تم چلے میں رکا
کبھی ہم تم اک ساتھ ہوں ——!
سانجھے اپنے دن رات ہوں ——!
ایسا کیوں نہ ہوا ——
کبھی یوں ہوا تم رکے میں چلا ——!
کبھی یوں ہوا تم چلے میں رکا ——!

اور جب وہ اپنا سامان پیک کر رہی تھی تب ہی پاپا آ گئے۔ وہ سمجھ گئی تھی۔ کسی خاص بات کے لیے وہ

تشریف لائے ہیں تب ہی تمام کام چھوڑ کر مکمل توجہ سے ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ وہ ہمیشہ ڈائریکٹ بات کہنے کے عادی تھے۔ تب ہی بنا کوئی تمہید باندھے فوراً بولے تھے۔

"بیٹا میرا کوئی بیٹا نہیں اور مجھے کبھی اس کا قلق رہا بھی نہیں۔ میری سوچ اس عام ٹپیکل اپروچ سے بہت ہٹ کر ہے۔ میرے لیے میری دونوں بیٹیاں ہی میرے بیٹے ہیں۔ اسی لیے میں نے آپ کو ہر طرح کا اعتماد سونپتے ہوئے مکمل اختیار اور آزادی دی۔ تاکہ آپ دونوں کی شخصیت میں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے اور اپنی اس کوشش میں بلاشبہ کامیاب رہا ہوں۔ آپ دونوں بلاشبہ ہمارا فخر ہیں۔ مگر بیٹا جس طرح آپ کی تعلیم و تربیت کی ذمے داری ہم پر عائد ہوتی تھی۔ اسی طرح آپ کی ایک اہم ذمے داری ہم پر عائد ہوتی ہے۔ آپ کی مرضی کو فوقیت دینا ہمارا فرض ہے۔ یقیناً یہ آپ کا حق ہے۔ اپنے متعلق فیصلہ کرنے کا۔ مگر بیٹا ہم چاہتے ہیں آپ خوش رہیں۔ یلماز حیدر یقیناً اچھا لڑکا ہے۔ سب سے بڑی بات آپ کو انڈراسٹینڈ کرتا ہے۔ یہ سیکنڈ ٹائم ہے کہ ان کی طرف سے کوئی پیغام آیا ہے۔ آپ کی ماما نے دوسری بار ہمیں آپ کے متعلق آگاہ کیا تو ہمیں حیرت نہیں ہوئی کیونکہ زندگی میں ضروری نہیں کہ نظروں کے سامنے نظر آنے والی ہر شے کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا جائے۔ مگر بیٹا!۔۔۔" اور تب اس نے بہت ہولے سے ان کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا تھا اور کتنے ہی گرم گرم آنسو آنکھوں سے بہہ نکلے تھے اور جیسے یہ آنسو ہی اس کا جواب تھے۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی اور تب بابا جیسے بہت کچھ سمجھتے ہوئے، بہت ہولے ہولے اس کا سر تھپکنے لگے تھے۔

اور پھر جب سب سی آف کرنے ایئرپورٹ پر تھے تو سب سے ملتے ہوئے یکدم ہی اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ یہ پہلی بار تھا کہ وہ ان سے الگ ہو کر اتنی دور جا رہی تھی۔

واقعی کتنا درد ہوتا ہے۔ جب اپنوں سے بچھڑا جائے۔

بچھڑنے کی گھڑی واقعی بہت پر درد ہوتی ہے۔

سب سے ملنے کے بعد وہ بھیگی پلکیں لیے اس کے سامنے آن رکی تھی۔

اور وہ اس لمحے کتنی ہی دیر تک اسے کچھ کہے بغیر ساکت نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔ آج جانے کیوں اس نے بھی نظریں نہ چرائیں تھیں۔ جانے کیوں آج اس نے چہرے کا رخ تبدیل نہ کیا تھا۔ بس ایک ٹک دیکھتی رہی تھی۔

اور تب یلماز حیدر نے بہت ہولے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

"آئی ول بی رائٹ ہیئر ویٹنگ فار یو۔۔۔!!" اس کا لہجہ پرتپش دہکا ہوا اور نظریں۔۔۔!!

اس لمحہ رحمہ جہانگیر کو لگا تھا وہ کچھ دیر اور یہاں ٹھہری تو جیسے اس کا سارا وجود پگھلنے لگے گا اور بہہ جائے گا۔

تب ہی وہ جلدی سے اس پل مڑی تھی اور تیزی سے ڈیپارچر لاؤنج کی سمت بڑھنے لگی تھی۔ بنا پیچھے دیکھے۔ جیسے رکے گی یا مڑ کر واپس دیکھے گی تو پتھر کی ہو جائے گی۔

مگر اس تمام کوشش کے باوجود بھی جانے کیوں اس پل اسے لگا تھا۔۔۔! جیسے بہت کچھ وہ یہیں بھولے جا رہی ہو۔

اپنا بہت کچھ اسی نگری میں چھوڑے جا رہی ہو۔

جیسے نظر۔۔۔!

جیسے خیال۔۔۔!

جیسے روح جیسے جان۔۔۔!!

جیسے دل وہیں کھو گیا ہو۔۔۔!

اسی ایک نظر میں الجھ گیا ہو۔۔۔!!

آنکھوں میں یکدم ہی سب سیلابی آن ٹھہرا تھا۔

دل جیسے کرلانے لگا تھا۔

روح پر جیسے ایک کرب اترنے لگا تھا۔

مگر اس ایک گھڑی میں لاکھ چاہنے کے باوجود وہ آگے قدم نہیں بڑھا سکی۔ وہ پلٹ آئی تھی یلماز حیدر کی محبت کی وجہ سے۔۔۔

☆ ☆